مؤلف: الشیخ ابوالفضل عبداللہ بن محمد الغماری الحسنی
ترجمہ: ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

فضائل النبی ﷺ فی القرآن

دلالۃ القرآن المبین علیٰ ان النبی افضل العالمین

قسط اول

الشیخ ابوالفضل عبداللہ بن محمد الغماری الحسنی الدریسی ۱۹۱۰ء میں مراکش میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۹۳ء میں وفات پائی۔ آپ کا سلسلہ نسب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ نے جامعہ قروین میں تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصے اپنے شہر میں قیام کے بعد جامعہ ازہر مصر تشریف لے گئے، اور وہاں اجل اساتذہ سے استفادہ کیا۔ آپ کو جن اساتذہ نے تدریس اور افتا کی اجازت دی ان کے اسما گرامی ہیں: سید عبدالحی کتانی۔ سید احمد بن صدیق غماری (آپ کے بھائی)۔ شیخ طاہر بن عاشور تونسی۔ شیخ احمد عبدالعزیز حنفی۔ علامہ محمد زاہد کوثری۔ شیخ محمد عبدالباقی ایوبی۔ شیخ عبدالقادر طرابلسی۔ شیخ بدرالدین دمشقی۔ شیخ ہبۃ اللہ حسینی۔

آپ کے تلامذہ میں سید مشہور کتانی اور شاخ عبدالفتاح ابوغدہ جیسے مشاہیر شامل ہیں۔

شیخ کا بنیادی تعارف ایک مبلغ، محدیث، قاضی اور صوفی کا ہے۔ آپ باقاعدہ تصوف سے عملی طور پر منسلک رہے۔ آپ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ آپ کی تحریروں کے اہم عنوانات میں تفسیر، حدیث اور عقیدہ و کلام کے مباحث شامل ہیں۔ آپ نے

سیرت پر بھی کتب تحریر کی ہیں جن میں دلالۃ القرآن المبین علیٰ ان النبی افضل العالمین اپنے موضوع پر اہم ترین کتاب ہے۔

آپ کی اس کتاب کو اس کی اہمیت کے پیش نظر ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری نے اردو کا قالب عطا کیا ہے۔ یہ مکمل کتاب دو حصوں میں السیرہ کے صفحات میں پیش کی جارہی ہے۔ ادارہ

مقدمہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن مجید لے کر آنا ایک ایسا اعزاز و اکرام ہے جو دیگر تمام انبیائے رسل کو عطا کیے گئے تمام معجزات پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو جو معجزات و نشانیاں عطا کی گئیں وہ ان کے زمانے تک کے لیے مخصوص تھیں اور ان کو جو شریعتیں عطا کی گئیں وہ اس زمانے کے لوگوں کے لیے ہی تھیں وہ دوسروں کے لیے نہیں تھیں اور ان کا دائرہ عمل بھی محدود تھا۔

لیکن جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے تو وہ تا ابد معجزہ ہی معجزہ ہے، ہر دور کا صحیفہ ہے، اور زندگی کے تمام شعبوں کے لیے مکمل دستور حیات ہے۔ قرآن مجید انسانیت کو ترقی اور فلاح و سعادت تک پہنچانے والی کتاب ہے اور یہ کتاب کائنات کے حقائق و دقائق کے بارے میں بڑے بڑے فلسفیوں اور مفکرین کو تاہیوں کی اصلاح کرتی ہے اور جن بنیای افکار و نظریات اور عقائد میں ہمارے مذہبی زعما انحراف کا شکار ہوئے ہیں ان کی اصلاح کرتی ہے۔ یہ کتاب علم کی رفتار کے ساتھ چلتی ہے، اور لوگوں کو فکری جمود و انحطاط کی قید سے آزاد کر کے فکر و شعور کی آزادی کا سبق دیتی ہے۔ یہ کتاب زندگی گزارنے کے آداب و اخلاق کے ایسے قواعد و قوانین عطا کرتی ہے، جن تک قدیم اور جدید ماہرین قانون کی رسائی نہ ہوسکی، اس نے اخلاق و تہذیب کے ایسے اسلوب سے دنیا کو آگہی عطا کی جس سے سارے علمائے اجتماعیات ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ دور میں بھی لاعلم اور تہی دامن رہے اور ان سب کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے اسلوب کی فصاحت و بلاغت اور الفاظ و تراکیب کی روانی اور تصور کشی کا حسین امتزاج دلوں میں اترتا جاتا ہے اور عقل و شعور کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ اگر آپ قرآن مجید اور

سابقہ آسمانی کتب کا مطالعہ کریں تو آپ ان میں ایک بڑا فرق محسوس کریں گے، اگر آپ تورات کے اسالیب اور اس کی تعلیمات واحکام پڑھیں گے اور اس میں بیان کردہ قصوں اور واقعات کا قرآن مجید فرقان حمید کی کسی سورت سے موازنہ کریں گے تو دونوں میں آسمان و زمین کا فرق دیکھیں گے۔ آپ کے اس موازانے اور مقابلے کی مثال بالکل ایسی ہی ہوگی جیسا کہ آپ آسمانی ستاروں میں سے کسی ستارے کا موازنہ کریں جو کبھی چمکتا ہے، دکھائی دیتا ہے اور پھر چھپ جاتا ہے۔ جسے ہر کوئی محسوس بھی نہیں کرسکتا اسے بس وہی دیکھ پاتے ہیں جو کسی خاص غرض اور مقصد سے ان کی چال پر نظر رکھتے ہیں، جو سورج کی روشنی کے ذریعے اس دنیا کو روشن اور عالم میں حرارت اور گرمی پیدا کردیتا ہے اور جس کے طلوع ہونے سے، تاریکیاں رفو چکر ہوجاتی ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے احسانات یاد دلاتے ہوئے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ (۱)

اور بے شک ہم نے آپ کو بار بار دہرائے جانے والی سات آیتیں (یعنی سورۃ فاتحہ) اور بڑی عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے آپ کو سرفراز کیا گیا ہے۔ اگرچہ باقی انبیا بھی وہ بھی معزز ومحترم رسول ہیں اولوالعزم ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے اور مقام تک نہیں پہنچے ہیں۔

پھر اللہ عزوجل جل کا ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ (۲)

کیا ان کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے جو ان پر پڑھی جاتی ہے (یا ہمیشہ پڑھی جاتی رہے گی) بے شک اس کتاب میں رحمت اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔

۱۔ الزمر: ۸۷

۲۔ العنکبوت: ۵۱

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کیا تمام نشانیوں سے بے نیاز کرنے والی یہ نشانی ان کے لیے کافی نہیں ہے (اگر یہ حق کے سچے طلب گار ہیں) جو قرآن مجید کی شکل میں ہم نے اتاری ہے۔ جسے ہر جگہ اور زمانے میں تلاوت کیا جاتا ہے اور یہ نشانی ہمیشہ ان کے پاس رہتی ہے کبھی پوشیدہ نہیں ہوتی۔ یہ ان نشانیوں میں سے کسی کی طرح نہیں ہے جو ایک جگہ تو موجود ہوتی ہے اور دوسری جگہ موجود نہیں ہوتی، اور جو کچھ دنوں بعد ختم ہو جاتی ہے یقیناً اس نشانی میں جو قیامت تک ہر جگہ اور ہر دور میں موجود رہے گی، ان کے لیے رحمت ہے اور ایسی بڑی نعمت ہے جس کی یہ لوگ قدر نہیں کرتے اور یہ ایمان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔

اگر ہم یک سو ہو کر قران مجید کے ان خاص دلائل و براہین پر نظر دوڑائیں، جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت اور علوشان کا اندازہ ہوتا ہے تو ہم یقیناً اسی نتیجے تک پہنچ سکیں گے، جس کے دو پہلو ہیں:

۱: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقینی طور پر ساری مخلوقات میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، اس لیے یہ بات تقاضائے عقل کے بھی خلاف ہے کہ کوئی فرد و شخص آپ سے افضل و اعلیٰ بھی ہو اور قرآن مجید آپ پر اتارا جائے۔

۲۔ وہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں جنہوں نے ملائکہ کرام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دی ہے۔ جیسا کہ ابن حزم نے کہا ہے، یا جس کسی نے حضرت جبریل امین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کہا ہے جیسا کہ زمخشری، اس لیے کہ قرآن مجید اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ ایک ایسا اعزاز و اکرام ہے جس کو نہ تو کوئی مقرب فرشتہ پا سکا اور نہ ہی کوئی مکرم رسول۔

اور پھر قرآن مجید کی بہت سی آیات اور سورتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے شمار فضائل و مناقب میں منفرد و یکتا ہیں۔ اور حضرت جبریل تو ان میں قطعاً آپ کے ساتھ شامل ہو ہی نہیں سکتے۔

اس کتاب کی تصنیف کا مقصد اس نتیجے کے دو پہلوؤں کو واضح اور اجاگر کرنا ہے اور اس بارے میں ہمارا مکمل اعتماد و یقین اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس فہم و دانش پر ہے، جو اللہ بزرگ و

برتر نے اپنی کتاب کو سمجھنے کے لیے عطا فرمائی ہے۔

اب ایک تیسرا پہلو اور باقی ہے جو سابقہ دونوں پہلوؤں سے ہی تعلق رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بقیہ انبیا اور ملائکہ کے مابین فضیلت کی بحث ظنی ہے۔ وہاں ہمارے پاس کوئی قطعی دلیل موجود نہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ انبیا و رسل علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں۔ یہ بات ہم قطعی طور پر نہیں کہہ سکتے جیسا کہ ہم یقینی طور پر ان لوگوں کو غلط بھی نہیں کہتے کہ جنہوں نے ملائکہ کو انبیا پر فوقیت وفضیلت دی ہے، ایسے لوگوں میں ابن حزم، معتزلہ اور بہت سے اشاعرہ شامل ہیں۔ امام رازی نے بھی اپنی بعض کتابوں میں یہ بات کہی ہے، کیوں کہ بعض دلائل سے اس جانب اشارہ کرتے ہیں۔ جسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ (۱)

مسیح (علیہ السلام) اس بات سے ہرگز عار نہیں رکھتا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ ہی مقرب فرشتوں کو اس سے عار ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ (اشاعرہ نے اس بات کا جواب بھی دیا ہے)

جب کہ ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دینے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ملائکہ سے افضل ہیں۔ مالکی علما نے اس واقعے سے استنباط بھی کیا ہے۔ لہٰذا کسی ایک بات کو یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہے، یہ ایک ظنی بات ہے اور غلبۂ ظن دونوں طرف ہے، اشاعرہ وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے، لیکن میرے علم کی حد تک اس کی صراحت انہوں نے بھی نہیں کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت قطعی ہے۔ البتہ امام رازی نے تفضیل کے سلسلے میں اختلاف ذکر کیا ہے اور ملائکہ کی افضلیت کو راجح بتایا ہے، مگر اس اختلاف سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ آپ بلا اختلاف ملائکہ سب سے افضل ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت قطعی ہے۔ ''جوہرہ''

۱۔ النساء: ۱۷۲

میں ہے:

وافضل الخلق على الاطلاق
نبينا فمل عن الشقاق

ساری مخلوقات میں علی الاطلاق ہماری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں، لہٰذا تم اس بارے میں اپنے آپ کو اختلاف سے بچاؤ۔

ایک شاذ قول ہے کہ جس کو علامہ شعرانی نے ''المنن الکبریٰ'' کے چودھویں باب میں نقل کیا ہے کہ ۹۴۱ ہجری میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں اور اس پر دلیل یہ دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو درود ابراہیمی سکھایا تھا اور اہل معانی کے یہاں یہ اصول ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے افضل ہوتا ہے، علامہ شعرانی نے اس شخص کے اس قول کا رد کرنے کے بعد کہا کہ علمائے مصر نے اس شخص کے اس دعوے کا جواب دیا ہے، اور علامہ سید محمد بکری، علامہ سید محمد ملی، شیخ ناصر الدین طبلاوی اور شیخ نور الدین طندتائی جیسے اکابر علما نے اس کے رد میں کتابیں لکھیں۔ جنہیں مجمع بڑے کے سامنے پڑھ پڑھ کر سنایا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ شخص علم معانی کا ماہر ہی نہیں تھا، اس لیے کہ جہاں یہ قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے افضل ہوتا ہے، وہیں ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ بعض اوقات بعد میں آنے والے کو کسی سابق سے کسی چیز میں محض تشبیہ دینا مقصود ہوتا ہے، اور دونوں میں تفاوت مقصود نہیں ہوتا۔ چناں چہ درود ابراہیمی اسی قبیل سے ہے، اس لیے کہ اللھم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم... کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما، جیسا کہ تیری جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رحمت حاصل ہوئی تھی۔ یہاں ادنیٰ اور اعلیٰ کی کوئی بات ہی نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت کا سبب ان کا نبی ہونا ہے، نہ کہ ان کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت۔ اسی قاعدے سے قرآن مجید فرقان حمید کی ایک آیت ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي

الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ (۱)

اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ ان ہی کو زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو حق حکومت بخشا تھا جو ان سے پہلے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے استخلاف ارض کو یہودیوں کے استخلاف ارض سے تشبیہ دی ہے، اور دونوں استخلافوں میں جو تفاوت ہے تو یہاں مقصود نہیں ہے، حال آں کہ امت محمدیہ کا استخلاف جو کہ مشبہ ہے یہودیوں کے استخلاف سے جو مشبہ ہے، کہیں زیادہ عام اور مکمل ہے، لہٰذا درود ابراہیمی میں تشبیہ کی وجہ سے اشکال پیدا ہونا یا اس سے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی افضلیت ثابت کرنا علم معانی میں مہارت و مشق کی کمی یا اس کے قواعد سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔

علامہ شعرانی نے طبقات اولیا ہی میں علامہ شاذلی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

صاحب بردہ علامہ بوصیری کے درج ذیل شعر کے بارے میں میرے اور جامعۃ الازہر کے ایک فرد کے مابین بحث ہوئی وہ شعر یہ ہے:

فمبلغ العلم فيه انه بشير

وأنه خير خلق الله كلهم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حاصل کلام یہی ہے کہ آپ بشر بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سب سے افضل و اعلیٰ بھی ہیں۔

اس شخص نے کہا کہ اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص سے کہا کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے، لیکن اس شخص نے اپنے قول سے رجوع نہیں کیا۔ پھر میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جامعہ الازہر کے منبر کے پاس تشریف فرما تھے، آپ نے مجھ سے فرمایا، اے میرے حبیب مرحبا! پھر شیخین

۱۔ النور: ۵۵

سے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ آج کیا ہوا ہے؟ انہوں نے جواباً فرمایا نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا فلاں محروم شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ملائکہ مجھ سے افضل ہیں، صحابہ نے کہا کہ تمام روئے زمین پر آپ سے افضل کوئی موجود نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ پھر اس محروم کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس بات کو مانتا ہی نہیں کہ میری افضلیت پر اجماع ہو چکا ہے، کیا اسے علم نہیں کہ معتزلہ کا اہل سنت سے اختلاف اجماع کے لیے قادح نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بعض چرب زبانوں کی طرف سے تو اس سے بھی قبیح بات درپیش آئی، وہ یہ کہ ایک شخص نے میری کتاب **الاحادیث المنقات فی فضائل سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم** دیکھی، میں نے اس کتاب میں احادیث صحیح کا انتخاب کیا ہے کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد جب اس شخص نے میری کتاب مجھے واپس کی تو کہنے لگا کہ تم تو خرافات کی تائید کرنے میں امام ہو (نعوذ باللہ) تو اس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت وعلوشان اور آپ کے بعض معجزات میں وارد احادیث صحیحہ کو خرافات سمجھا۔ اس بات نے مجھے پیش نظر کتاب **دلالۃ القرآن المبین علی ان النبی افضل العالمین** کی تالیف میں عجلت پر آمادہ کیا۔ اس کتاب کا قاری اس میں ایسی چیزیں دریافت کر سکے گا جس سے اس کے ایمان کی تجدید ہوگی، اور اس کے عقیدے میں پختگی پیدا ہوگی، اور اس کے ذریعے وہ اپنے مدمقابل کو سکوت اختیار کرنے پر مجبور کر دے گا کہ وہ اجماع کو بھی نہ مانے اور حدیث کا بھی انکار کرے۔

یہاں دو اہم امور کی نشان دہی بے حد ضروری ہے:

۱۔ بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا مسئلہ دین اسلام میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا، یہ خیال رکھنے والے بڑی سخت غلطی کے مرتکب ہیں، سچ بات تو یہ ہے کہ اس بات کی بڑی اہمیت ہے، اس لیے کہ عقیدے کی صحت اسی پر موقوف ہے، خاص کر اس مادی دور میں، جس میں دین کے اصول وفروع کے بارے میں جاہلانہ رویہ بہت عام ہو گیا ہے ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی عالم دین سے پوچھا کہ اس بات کی کیا دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نوح علیہ السلام سے افضل ہیں، جب کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال دین کی دعوت دی اور تبلیغ کی، جیسا کہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ ذکر

ہے۔ سوال کرنے والا شخص اپنی بات کی کوئی دلیل نہ دے سکا۔ اسی طرح ایک نے مجھے بتایا کہ میرا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کیسے؟ تو اس نے وہی بات کی کہ اس لیے کہ ان کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی ہے اور اس لیے کہ وہ نطفے سے جو گندا ہوتا ہے پیدا نہیں ہوئے۔ تو میں نے اس بے شرم شخص سے کہا کہ تمہارے اس ضابطے کی رو سے تو حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونی چاہیے کہ وہ چٹان سے برآمد ہوئی، کسی شرم گاہ سے نہیں نکلی تھی، اگر فضیلت وافضلیت کا تعلق ان ہی باتوں سے ہوتا تو حضرت سیدنا آدم علیہ السلام علی الاطلاق تمام انبیاورسل میں سب سے افضل ترین ہوتے، اس لیے کہ وہ تو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ وہ نہ تو کسی کے نطفے سے پیدا ہوئے تھے، اور نہ ہی کسی رحم مادر میں رہے تھے۔ پھر وہ ہزار سال تک زندہ رہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے اور اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور دعوت حق دیتے رہے۔

لیکن صحیح اور حق بات یہ ہے کہ درحقیقت افضلیت کا تعلق فضل وکمال کی ان خوبیوں اور کمالات سے ہوتا ہے، جن سے کوئی نبی اور رسول آراستہ وپیراستہ ہوتا ہے، اور ایسے ہی اس کا تعلق ان امتیازات سے بھی ہوتا ہے، جن سے اللہ تعالیٰ کسی نبی اور رسول کو نوازتا ہے۔ اسی بنیاد پر انبیاورسل ایک دوسرے سے افضل ہیں۔ اور اسی بنا پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضلیت میں سب سے بلند مقام پر فائز ہیں۔

اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ قطعی کمالات جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم متصف ہیں تو اس کی خبر اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود دی ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (۱)

اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عظیم الشان خلق پر قائم ہیں۔

ایسے الفاظ کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی نبی اور رسول تعریف وتوصیف بیان نہیں کی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ

۱۔ القلم: ۴

علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق قرآن مجید کی طرح تھے۔

اس جامع وکامل جواب کا مطلب یہی تھا کہ قرآن مجید میں جن اخلاق وآداب وفضائل ومکارم کا تذکرہ ہے اس کی تجسیم جناب والا صفات میں موجود ہے۔ اس لیے علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فاق النبیین فی خلق وفی خلق
ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

وہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) خلق اور میں تمام انبیا ورسل سے فائق ہیں اور علم و کرامت میں کوئی ان کا ہم پلہ نہیں ہے۔

جہاں تک ان خصوصیات وامتیازات کا تعلق ہے جو اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے تو وہ بے شمار ہیں۔ مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ کا آپ کا دفاع کرنا، آپ کو اچھا نبی اور اچھا رسول کے القاب سے بلانا اور مؤمنوں کو اس بات سے منع کر دینا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی لے کر آپ کو پکاریں، آپ کی طرف سے جنگ کے لیے فرشتوں کو بھیجنا، آپ کی بعثت کا عام ہونا، اللہ تعالیٰ کا آپ کی حیات مبارکہ کی قسم کھانا وغیرہ وغیرہ ان ہی امتیازات وخصائص وشمائل سے یہ کتاب تعلق رکھتی ہے۔

اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان خصوصی امتیازات کو آپ کے لیے ثابت کرنا اور مندرجہ بالا اخلاق عالیہ اور صفات ستودہ سے آپ کے متصف ہونے کا عقیدہ رکھنا شرعاً لازم وواجب ہے، جس پر ایک بندہ مؤمن کے عقیدے کی صحت کا دارومدار ہے۔ اور اس پر علمائے اسلام نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب قران مجید نے بھی اس ضمن میں بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس پر احادیث متواترہ بھی ہیں اور امت کے تمام طبقات کے اجماع سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے، اور آپ ﷺ کی افضلیت واکملیت کا یہی مفہوم ہے۔ یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نبی یا رسول یا مقرب فرشتہ ان صفات عالیہ سے متصف نہیں ہے۔ یہاں تو کوئی آپ ﷺ کے برابر کا درجہ رکھنے والا بھی موجود نہیں، چہ جائے کہ کسی کو آپ پر فوقیت حاصل ہو۔

اسی طرح ہم ہر اس شخص کے گم راہ ہونے کا یقینی علم رکھتے ہیں جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی نبی، رسول یا فرشتے کو فوقیت وفضیلت دی۔

ایسے عقیدے کا حامل یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی فرشتے یا نبی ورسول کو فوقیت دینے والا یا تو تناقض کا مارا ہوا ہے، اس لیے کہ وہ اس افضیلت کے لفظ کو آپ کے لیے مانتا ہے اور دوسری جانب وہ افضیلت جیسے الفاظ کو دوسروں کے لیے بھی استعمال کرتا ہے، یا وہ اس قاعدے سے غافل ہے کہ کسی چیز کے لیے کسی معنی کا ثابت ہونا اس بات کے لیے لازم ہے کہ وہ لفظ بھی اس کے لیے ثابت ہو، اس لیے کہ لفظ معنی کے تابع اور اس کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔

دوسرے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض احادیث ایسی موجود ہیں کہ جن سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم افضلیت مستفاد ہوتی ہے۔ جیسا کہ کسی نے آپ کو "یا خیر البریۃ" ''اے مخلوقات میں سب سے افضل'' کہا تو آپ نے فرمایا کہ ''وہ تو حضرت ابراہیم علیہ اسلام تھے'' ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو'' اسی طرح آپ کا ارشاد پاک ہے ''لوگ بے ہوش ہوں گے، تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش الٰہی تھامے ہوئے ہیں مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئیں گے یا پھر وہ پہلے ہی سے ہوش میں رہیں گے کیوں کہ وہ دنیا میں کوہ طور پر بے ہوش ہوئے تھے تو ہوسکتا ہے کہ یہ ہوش اس بے ہوشی کے عوض میں ہو''

اسی طرح ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

تو میں نے حضرت جبریل کا اللہ کے بارے میں علم میں مجھ سے افضل ہونا جان لیا۔

ان احادیث مبارکہ کے سلسلہ میں دو نقطہ نظر ہیں۔

۱۔ ترجیح کا راستہ اختیار کیا جائے یعنی یہ مذکورہ احادیث خبر واحد ہیں اور آپ کی افضیلت قرآن مجید اور احادیث متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے، اس لیے وہ بلا اختلاف راجح ہوگی۔

۲۔ ایسی احادیث میں تطبیق دی جائے۔ پھر تطبیق کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں۔

اول: یہ مذکورہ احادیث آپ نے بہ طور تواضع اور انکساری بیان فرمائی ہیں، پھر حضرت یونس علیہ السلام والی حدیث میں فی الحقیقت ان کے مقام کی طرف اشارہ مقصود ہے، تاکہ ان سے جو عمل سرزد ہوا اس کی وجہ سے کوئی ان کے مقام کو کم نہ سمجھنے لگے، اور جہاں تک حضرت

سیدنا موسیٰ علیہ السلام والی روایت کا تعلق ہے تو وہ اگر قیامت والے دن بے ہوش ہی نہیں ہوں گے تو یہ کوہ طور کی بے ہوشی کا بدلہ ہوگا، اور یہ بات بالکل واضح ہے، اور اگر وہ بے ہوش ہو کر سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے تو یہ ان کی ایک خصوصیت ہوگی، جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے شمار خصوصیات و فضائل حاصل ہوں گے۔ مثلاً شفاعت عظمیٰ آپ ہی کو حاصل ہوگی جو جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی پیچھے رہ جائیں گے۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ کر شفاعت فرمائیں گے، پھر آپ ﷺ کی بہت سی سفارشیں ہوں گی، جو بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوں گی، حتیٰ کہ جہنم کا نگران بھی آپ سے کہے گا کہ ''آپ نے اپنی امت میں اللہ کے غضب کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے''۔

اور خود اللہ رب العزت آپ کو پکاریں گے، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ راضی ہیں؟'' آپ عرض کریں گے ''ہاں اے میرے رب میں راضی ہوں'' پھر آپ سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوائیں گے تو جنت کا نگران کہے گا ہاں مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ سے پہلے کسی اور کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

دوم: یہ کہ یہ احادیث اس وقت کی ہیں، جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو آپ کے سب سے افضل ہونے کی خبر نہیں دی تھی اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنا فضل وکرم مرحلہ در مرحلہ نازل فرمایا ہے، چناں چہ ''انذار'' کے ضمن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے آپ سے فرمایا:

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾ (۱)

اور اے حبیب آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (ہمارے عذاب سے) ڈرائیے۔

پھر فرمایا:

۱۔ الشوریٰ: ۲۱۴

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (۱)

تاکہ آپ سب انسانی بستیوں کے مرکز مکہ والوں کو اور اس کے اردگرد والوں کو ڈر سنائیں۔

پھر اس کے بعد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (۲)

اور (اے حبیب مکرم) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ آپ پوری انسانیت کے لیے خوش خبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں۔

پھر آپ کی طرف جنات کو بھی بھیجا اور آپ کی بعثت کو عام فرمادیا۔ فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝۱ (۳)

وہ اللہ بڑی برکت والا ہے جس نے حق و باطل میں فرق اور فیصلہ کرنے والا (قرآن) اپنے بندہ پر نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈر سنانے والا ہو جائے۔

پھر آپ کو معراج پر بلایا اور اپنی نشانیاں دکھائیں، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علو مقام اور آپ کی عظمت و رفعت میں اضافہ ہوا۔ اور پھر جب آپ کو جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا تو آپ کے ساتھ فرشتوں کو بھی جہاد میں حصہ لینے کا حکم دیا گیا۔ اسی طرح جب بھی کوئی نیا مرحلہ آتا تو آپ کے فضل و شان میں اضافہ ہوتا رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے نیا ہدیہ وعطیہ وصول فرماتے، اور جب آپ پر کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو آپ کے قرب الٰہی اور علم میں مزید آگے بڑھ جاتے اضافہ ہوتا۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوقات خداوندی میں افضل ترین ہونے کا علم مذکورہ بالا احادیث کے ارشاد فرمانے کے بعد ہوا، چناں چہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱۔ الانعام: ۹۲

۲۔ سبا: ۲۸

۳۔ الفرقان: ۱

انا سید ولد آدم

میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں۔

اور مزید فرمایا:

میں نے خواب میں اللہ رب العزت کو سب سے اچھی صورت میں دیکھا تو اللہ نے فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کیا اے میرے رب میں حاضر ہوں۔ اس نے پوچھا ملائے العلیٰ کے فرشتے کس بات کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہیں تو میں نے کہا اے میرے رب میں نہیں جانتا تو رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے کاندھوں کے درمیان میں رکھا، جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی تو ہر چیز میرے لیے نمایاں اور واضح ہوگئی اور میں نے سب کچھ پہچان لیا۔

یہ حدیث اس بارے میں صراحت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنے علم کی تجلی فرمائی جس نے ہر معلوم چیز پر سے آپ کے لیے پردہ ہٹا دیا، اس بنیاد پر بھی آپ کا حضرت جبریل سے اعلیٰ و افضل ہونا معلوم ہوگیا۔ معراج کی رات جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے براق پر سوار ہونا چاہا تو براق نے کچھ شوخی دکھائی تو حضرت جبریل نے براق سے پوچھا کہ تو ایسا کیوں کر رہا ہے خدا کی قسم! تیرے پر کوئی ایسا سوار سوار ہی نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ معزز و محترم ہو یہ سن کر براق پسینے میں شرابور ہوگیا۔ یہ بھی حضرت جبریل کی طرف سے گواہی ہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و رسل اور ملائکہ سے اعلیٰ و افضل ہیں۔

سورت البقرۃ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (۱)

۱۔ البقرہ: ۱۔۴

الف لام میم: (حقیقی معنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں) یہ وہ عظیم کتاب ہے کہ جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں یہ پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا۔

اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی کتاب پر ایمان لانے کو صفت تقوے کی شرط اور ہدایت وکامیابی کا اہم ستون قرار دیا ہے اور اس کتاب (قرآن مجید) پر ایمان لانے کو دوسری آسمانی کتاب پر ایمان لانے سے مقدم بتایا ہے، یہ بتانے کے لیے کہ اس پر صدق دل سے ایمان لانا ان تمام کتابوں پر ایمان لانے کی اساس واصل ہے اور غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں کہ جن کا علم عقل وشعور اور حواس خمسہ کے ذریعے نہیں ہوسکتا صرف نبی کے خبر دینے سے ان کا علم ہوتا ہے۔

حال آں کہ خود وہ چیزیں ہماری نظروں سے غائب ہیں جیسے احوال قبر عالم ارواح، عہد الست، ملائکہ، جنت، دوزخ، آسمانی کتابیں، انبیاورسول، تقدیر وغیرہ وغیرہ۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ (۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایمان لاؤ جیسے دوسرے لوگ ایمان لے آئے ہیں۔

اس آیت میں الناس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام ہیں۔ اور مشرکین نے نبی کے اصحاب ہی کو سفہاء سے تشبیہ دی تھی۔

یعنی اصحاب نبی رضوان اللہ علیہم کی طرح تو وہ کہتے ہیں:

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ط (۲)

۱۔ البقرہ: ۱۳

۲۔ البقرہ: ۱۳

کیا ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں؟

تو اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ (۱)

یاد رکھو! بلاشبہ یہی بے وقوف ہیں، مگر یہ جانتے نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کئی تاکیدات ذکر کر کے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا دفاع کیا ہے، ایسا طرز کسی اور نبی کے اصحاب کے ساتھ اختیار نہیں کیا گیا۔ مثال کے طور پر جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا:

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (۲)

کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں حالاں کہ تمہاری پیروی حقیر لوگ کر رہے ہیں۔

یعنی قوم نوح نے جب ان کے صاحبان ایمان ساتھیوں کی تحقیر و تذلیل کی تو حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا:

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ (۳)

نوح علیہ السلام نے فرمایا میرے علم کو ان کے پیشہ ورانہ کاموں سے کیا سروکار ان کا حساب تو صرف میرے رب ہی کے ذمے ہے، کاش تم سمجھتے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کا دفاع ان کے اعزاز کی وجہ سے ہی کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ (۴)

۱۔ البقرہ: ۱۳

۲۔ الشعرا: ۱۱۱

۳۔ الشعرا: ۱۱۲۔۱۱۳

۴۔ البقرہ: ۹۹

اور بے شک ہم نے آپ کی طرف روشن آیتیں اتاری ہیں اور ان نشانیوں کا سوائے نافرمانوں کے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

یہ آیت ایک یہودی عالم عبداللہ ابن صوریا کی تردید میں نازل ہوئی، جب عبداللہ بن صوریا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے پاس کوئی نشانی لے کر نہیں آئے، اس آیت کو اس مناسبت سے یہاں ذکر کیا گیا ہے کہ جب کبھی بھی مشرکین مکہ، یہود یا نصاریٰ کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی تہمت باندھی گئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت تاکید کے ساتھ دفاع اپنے ذمے لے لیا۔

اور کہیں تاکید استعمال کی، کہیں قسم کھائی اور کہیں اس کے علاوہ فنون و بلاغت کی دیگر اصناف کا استعمال کیا، جن کو ہم ان کے اپنے مقامات پر واضح کریں گے۔ جو خود اس آیت میں کئی طرح کی تاکید ہے، قسم کا لام ہے، تاکید ہے، قد ہے، جو تحقیق کے لیے آتا ہے۔ پھر آیات کی صفت ''بینات'' کو لایا گیا ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ واضح ہیں اور جن کا انکار ممکن نہیں اور وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ کا جملہ اس بات کے حصہ کا فائدہ دیتا ہے کہ ان آیات کا انکار یہودیوں میں ہی منحصر ہے، جن کی صفت اس جگہ فاسقین بیان کی گئی ہے۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور صفت ہے جو آپ کی امتیازی شان پر دلالت کرتی ہے اس لیے دیگر انبیا پر جو الزامات لگائے گئے ان کے دفاع کی ذمے داری اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان ہی کے سپرد کردی تھی چناں چہ حضرت نوح علیہ السلام نے خود اپنا دفاع کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ (۱)

اے میری قوم! مجھ میں کوئی گم راہی نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول مبعوث ہوا ہوں۔

حضرت ھود علیہ السلام نے کہا:

۱۔ الاعراف: ۶۱

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ (۱)

اے میری قوم! مجھ میں کوئی حماقت نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول مبعوث ہوا ہوں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون نے جادوگر ہونے کا الزام لگایا تو انہوں نے فرمایا:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ (۲)

تو جانتا ہے کہ ان نشانیوں کو کسی اور نے نہیں اتارا، مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے عبرت و بصیرت بنا کر اور میں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ اے فرعون! تم ہلاک زدہ ہو۔

یہی کیفیت دوسرے انبیا و رسل کی ہے۔ لہٰذا آپ اس ضابطے کو ذہن نشین کر لیں! اس میں آپ ﷺ کے عالی مقام پر فائز ہونے کی وضاحت و صراحت ہوتی ہے۔

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے منظوم استغاثے میں میں نے کہا

نبی تو لی اللہ عنہ دفاعہ
وخیب قوماً قد رموہ بجنۃ

وہ ایسے نبی ہیں کہ جن کے دفاع کی ذمے داری خود اللہ تعالیٰ نے لے لی ہے اور ان لوگوں کو بے مراد کر دیا ہے جنہوں نے آپ پر جنات کے اثرات کی تہمت لگائی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ (۳)

۱۔ الاعراف: ۶۱

۲۔ بنی اسرائیل: ۱۰۲

۳۔ البقرہ: ۱۰۴

اے ایمان والو! (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے) راعنا مت کہا کرو بل کہ (ادب سے) انظرنا (ہماری طرف نظر کرم فرمایئے) گیا کرو اور بہ غور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

سابقہ آیات کی طرح اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ''راعنا'' کہتے تھے یہودی جب آپ کی مجلس میں آتے تو سلام وکلام میں بھی اپنے دل کا بخار نکالنے کوشش کرتے، ذومعنی الفاظ بولتے، اونچی آواز سے کچھ کہتے اور آہستہ سے کچھ اور ظاہری سطح پر شائستگی رکھتے ہوئے مخفی توہین کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھتے، مثلاً دوران گفت گو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرما رہے ہوتے اور یہودیوں کو یہ کہنے کی ضرورت ہوتی کہ ذرا ہمیں سمجھنے دیجیے، پھر سے فرمایئے تو یہودی اس کلمے کو بدل کر اس طرح کہتے کہ جس سے غلط مفہوم نکلتا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کلمہ کے استعمال سے منع کر دیا۔ اور اس کی جگہ ''انظرنا'' استعمال کرنے کا حکم دیا۔ اس میں بھی مقصد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند و بالا مقام کی حفاظت تھی تاکہ کسی طریقے سے بھی توریہ یا ایہام کے انداز ہی میں سہی آپ پر کوئی الزام نہ لگایا جائے۔

ارشاد باری ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ (۱)

اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (مشرکین مکہ) کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں فرماتا (یہ بتانے کے لیے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں) یا ہمارے پاس بہ راہ راست کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ

۱۔ البقرہ: ۱۱۸

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ (۱)

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں (سابقہ امتوں کے نافرمانوں) نے بھی ان ہی جیسی بات کہی تھی ان سب لوگوں کے دل آپس میں ایک جیسے ہیں، بے شک ہم نے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں خوب واضح کردی ہیں۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی و رسول کی نبوت و رسالت کو ثابت کرتے ہوئے تاکیدی انداز میں فرمایا:

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ (۲)

(اے محبوب مکرم) بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اہل دوزخ کے بارے میں آپ سے پرسش نہیں کی جائے گی۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسکین وتسلی کا مضمون ہے کہ آپ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ ایمان کیوں نہیں لائے۔ آپ کا کام ان کو صرف تبلیغ کرنا ہے اور آپ نے پیغام نہ صرف پہنچادیا بل کہ پہنچانے کا حق بھی ادا کردیا، ان سے حساب وکتاب کرنا اب ہماری ذمے ہے۔ ایک قرأت میں "لاتسئل" کو جزم کے ساتھ صیغ نہی کے ساتھ پڑھا گیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اہل جہنم کے بارے میں آپ سے پوچھا ہی نہ جائے کہ ان کے لیے ہمارے پاس کیسا عذاب ہے، ان اہل جہنم کے لیے شدید عذاب ہے یا یہ مطلب ہے کہ آپ سے ان کے لیے شفاعت وسفارش کا سوال ہی نہ کیا جائے، اس لیے کہ ان کے کفر وشرک کی وجہ سے ان پر عذاب بہت ضروری ہے۔ اور ایک روایت میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پوچھا تو قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

۱۔ البقرہ:۱۱۸

۲۔ البقرہ:۱۱۹

وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ (۱)

اور آپ سے اہل جہنم کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

یعنی ان کے بارے میں سوال سے منع کر دیا گیا۔ مگر یہ روایت، رسل بدر ضعیف، خود اس آیات کا سیاق وسباق ہی بتا رہا ہے کہ یہ روایت درس نہیں، کیوں کہ اپ علی الصلاۃ والسلام کے والدین پریمینی اہل فترت میں سے ہیں، اور وہ نجات یافتہ ہیں۔ اس موضوع پر ہم اپنی کتاب خواطر دینیہ میں بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی کعبۃ اللہ کی تعمیر نو کے وقت کی دعا نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ (۲)

اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے (وہ آخری اور برگزیدہ) رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو خوب پاک صاف کر دے۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی دعا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعے قبول ومنظور فرمائی۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں اس وقت سے اللہ کا بندہ اور خاتم النبیین ہوں، جب آدم کا مٹی کا پتلا بنایا جا رہا تھا۔ اور اپنے والد ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں۔

سورت البقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام ہمارے نبی آمد رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور آپ کی صفات سے واقف تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی خبر دی تھی اور ان سے عہد لیا تھا جیسا کہ دیگر انبیا ورسل

۱۔ البقرہ:۱۱۹

۲۔ البقرہ:۱۲۹

سے عہد لیا گیا تھا۔ انہوں نے انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ رب العزت نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عظمت شان ہے وہ خوب نمایاں ہے کسی سے مخفی نہیں اور پھر اس دعائے ابراہیمی کا مصداق ظاہر ہے کہ ایسا ہی شخص ہوسکتا ہے کہ جسے ان دونوں بزرگ ہستیوں کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہو بنی اسماعیل میں یہ شرف صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصہ میں آیا ہے ان اوصاف کا حامل آپ سے پہلے کوئی اور نہیں گزرا اور آپ ہی اس کے مصداق ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔ (۱)

اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم پر گواہ۔

امت وسط کا لفظ ایسی جامعیت اور خصوصیت کا حامل ہے کہ کوئی دوسرا لفظ اس کے پورے مفہوم کو ادا نہیں کرسکتا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو تین ایسی خصوصیات دی ہیں کہ وہ صرف کسی نبی مرسل کو ہی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر نبی سے فرماتا تھا:

تم میری مخلوق پر میرے گواہ ہو۔

اور اللہ تعالیٰ انبیا سے فرماتا تھا:

تم پر کوئی حرج نہیں۔

جب کہ اس نے ہم امتیوں سے فرمایا:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ (۲)

اللہ نہیں چاہتا کہ وہ تمہارے اوپر کسی قسم کی سختی کرے۔

۱۔ البقرہ: ۱۴۳

۲۔ المائدہ: ۶

اور اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء سے فرماتا ہے:

مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا

اور اس نے یہاں ہم امتیوں سے فرمایا:

ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (۱)

مجھ سے دعا کرو میں ضرور قبول کروں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کے انتظار میں آسمان کی جانب دیکھتے تھے اور آپ کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آجائے۔ اس لیے بھی کہ وہ آپ کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اور مزید برآں اس میں اہل عرب کے لیے اسلام قبول کرنے میں بھی زیادہ کشش تھی تو اللہ رب العزت ان آیات کو نازل فرمادیا:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ (۲)

(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رخ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے آپ راضی ہیں پس آپ اپنا رخ ابھی مسجد حرام کی طرف پھیر لیجیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس خواہش کی تمنا کرتے تھے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بن مانگے ہی آپ کو عطا کردی، یہ آپ کے ساتھ اس کی خصوصی عنایت وکرم ہے جو کسی دوسرے رسول ونبی کو حاصل نہیں ہوسکی،

پھر اللہ رب العزت نے یہ خبر دی کہ اس کا یہ جلیل القدر رسول اپنی صفات وکمالات اور امتیازات کے ساتھ اہل کتاب میں بھی جانا پہچانا جاتا ہے۔ اور اس جان پہچان میں انہیں ذرہ بھر بھی شک وشبہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ

۱۔ الغافر: ۶۰

۲۔ البقرہ: ۱۴۴

فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ (۱)

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے۔ وہ اس رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی شان وعظمت) کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ بلاشبہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور یقیناً ان ہی میں سے ایک طبقہ حق کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے صاحبان ایمان پر اپنے نبی کو بھیجنے کا احسان جتاتے ہوئے کہا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ (۲)

اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تم ہی میں سے اپنا رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت ودانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

اس آیت میں یہ بتایا جارہا ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے خلوص عمل نے حق کا جو بیج بویا تھا وہ بارآور ہوگیا ہے جامع کمالات نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ ان تمام اوصاف حمیدہ کے حامل ہیں جن خصوصیات کا ذہنی خاکہ ان کے جدامجد نے بنایا تھا اور تم ان کی بہترین امت ہو۔

پھر ارشاد خداوندی ہے:

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾ (۳)

یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم انہیں (اے حبیب!) آپ پر سچائی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔

یہ آیت ان کفار کے رد میں ہے جنہوں نے کہا کہ آپ رسول نہیں ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی

۱۔ البقرہ:۱۴۶

۲۔ البقرہ:۱۵۱

۳۔ البقرہ:۲۵۲

نبوت ورسالت کا اعلان فرمارہا ہے، مگر منکرین نبوت ورسالت مان ہی نہیں رہے ہیں اس سے آپ کا رنج والم میں مبتلا ہونا فطری بات ہے۔ اسی وجہ سی ان میں تین تاکیدات لائی گئی ہیں۔

اِنَّ، لام اور جملہ اسمیہ جو کہ پائیداری اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی آپ کا رسول ہونا قطعی ویقینی اور ثابت ہے۔ صرف اس بات سے ہی منکرین نبوت ورسالت کا رد ہوسکتا تھا مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی پر اکتفاء نہ کیا بل کہ مزید افضلیت واکملیت بیان فرمادی:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (۱)

یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے کسی سے اللہ نے براہ راست کلام فرمایا اور کسی کو درجات میں سب پر فوقیت دی (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ درجات میں سب پر بلندی عطا فرمائی)۔

اس میں رسولوں کی طرف اشارہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور دیگر انبیا ورسل کی طرف جیسے حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ آخری حصے میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے، جس میں کنائے کا استعمال ہے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علوشان اور عظمت ورفعت کی طرف اشارہ ہوسکے اور اس میں اس جانب بھی لطیف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے مشہور ومعروف ہیں کہ ابہام میں بھی پہچان لیے جاتے ہیں اور ایسے مواقع پر صرف اور صرف آپ ہی مراد ہوتے ہیں کوئی دوسرا نہیں ہوتا پھر درجات کو نکرہ لایا گیا جس میں آپ کو عطا کردہ چیزوں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے جسے آپ کو قرآن مجید کا عطا کیا جانا، آپ کی امت کا خیر امت ہونا روئے زمین کا آپ کے لیے پاک وطاہر اور مسجد ہونا دینی وشرعی احکام میں آسانی ہونا اور حرج وتنگی سے مبرا ہونا، اور آپ کو رحمۃ للعالمین بنانا، ان چند کے علاوہ اور دیگر بے شمار خصوصیات وصفات سے متصف

۱۔ البقرہ: ۲۵۳

ہونا جو کسی اور نبی اور رسول کو نہیں عطا کیے گئے۔ اور لفظ ''رفع'' میں دیگر انبیا و رسل پر آپ کی رفعت شان کی طرف اشارہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم صدق دل سے ایمان رکھتے ہو پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ پر خبردار ہو جاؤ۔

سود کی ممانعت ہونے پر مسلمانوں نے سودی لین دین چھوڑ دیا تھا لیکن بعض لوگوں کی سودی رقمیں کچھ بقایا تھیں بنو ثقیف اور بنی مخزوم کے درمیان سودی معاملات تھے جب بنی مخزوم مسلمان ہوئے تو انہوں نے سودی رقم بنو ثقیف کو ادا کرنے سے انکار کر دیا اور بنو ثقیف کے لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ مسلسل اپنی رقم کا مطالبہ کرتے رہے۔ یہ قضیہ مکہ میں پیش آیا اور مکہ اس وقت فتح ہو چکا تھا اور وہاں کے امیر حضرت عتاب ابن اسیر تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہ واقعہ لکھ کر حکم دریافت کیا۔

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن کی رو سے سود ایک فوجداری جرم قرار پایا۔ تمام سابق سودی معاملات کالعدم قرار دے دیے گئے۔ سودی رقم کی وصول یابی ممنوع قرار پائی صرف راس المال اور اصل رقم قرض وصول کرنے کی اجازت رہ گئی۔ جو لوگ سود کھاتے تھے آپ نے اپنے عمال و حکام کے ذریعے ان کو خبردار کیا کہ وہ اس لین دین سے باز آئیں ورنہ ان کے خلاف جنگ کی جائے گی بخران عیسائیوں کو جب اندرونی خود مختاری دی گئی تو ان کے معاہدے میں بھی یہ وضاحت کر دی گئی تھی کہ تم نے سودی کاروبار کیا تو معاہدہ بھی منسوخ قرار پائے گا اور جنگ بھی چھڑ جائے گی چناں چہ مسلمان تو اس قانون کے پابند ہو گئے تھے۔ غیر مسلم معاہد بھی پابند بنائے گئے۔ اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے

۱۔ البقرہ: ۲۷۸۔۲۷۹

موقع پر اعلان بھی فرما دیا تھا کہ اب یہ قانون ساری انسانیت کی صلاح وفلاح اور تعمیر وترقی کے لیے جاری کیا جارہا ہے۔

اس آیت سے استشہاد اس طور پر ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ سود کھانے والوں سے ان کی کمائیاں مٹا کر جنگ کرتا ہے، اسی طرح آپ اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی اپنی برزخی زندگی کے شایان شان ان کے خلاف بدعا کر کے ان سے جنگ فرماتے ہیں۔

میں نے اپنے ایک شعر میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے

وفی آیة الربا دلیل حیاته

دوامًا بلا ثنیا الیٰ یوم نفخة

آیت ربا میں صور پھونکنے کے وقت تک بغیر کسی استثنا کے آپ کی برزخی زندگی کی دلیل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ (۱)

وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر ایمان لائے (یعنی اس کی تصدیق کی) اور جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اہل ایمان نے بھی۔

سورۂ بقرہ کی یہ دونوں آخری آیات ایسی آیات ہیں کہ جن کو اللہ عزوجل نے خاص طور پر اپنے حبیب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ذخیرہ کر رکھا تھا۔ اور اس کو عرش کے نیچے کے خزانے سے نازل فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کو ان دونوں آیات کو یعنی سورت البقرہ کی آخری دو آیات کو رات کو پڑھ لے گا یہ اس کے لیے کافی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھا کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں آیتیں جنت کے خزانے میں سے نازل فرمائی ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے خود لکھ دیا تھا جو شخص رات کو ان کی تلاوت کر لے تو یہ اس کی نماز تہجد کے قائم مقام ہو جائیں گی۔

۱۔ البقرہ: ۲۸۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دو آیات اپنی خاص عطا سے مجھے مرحمت فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہیں۔

اس لیے تم خاص طور پر ان آیات کو سیکھ لو اور اپنی عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ، چناں چہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ ہمارا خیال ہے کہ جس میں ذرا بھی عقل وشعور ہوگا وہ ان آیات کو پڑھے بغیر نہیں سوئے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس آیت

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ (۱)

اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہماری گرفت نہ فرما۔

کے جواب میں اللہ رب العزت نے فرمایا ''ہاں'' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میں نے ایسا کر دیا'' میں کہتا ہوں کہ ان دونوں روایات سے مستفاد ہے کہ اس آیت میں مذکورہ ہر دعا پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''ہاں میں نے ایسا کر دیا'' یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت سے حرج، خطا اور نسیان کو اٹھا دیا ہے اور ایسا اس امت کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکرام واحترام کے صدقے میں کیا ہے۔ اور آگے چل کر یہ بیان بھی آرہا ہے کہ قرآن کریم نے بھی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ (۲)

اور ان سے ان کے بارگراں اور طوق قیود جو ان پر تھے ساقط فرماتے ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، نسیان، اور جس پر انہیں مجبور کر دیا جائے درگزر کر دیا ہے۔

ایسا ہی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ البقرہ: ۲۸۶

۲۔ الاعراف: ۱۵۷

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۔ (۱)

اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں جو تم نے غلطی سے کہی ہے لیکن اس پر ضرور گناہ ہوگا جس کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہو۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (۲)

اللہ تمہاری بے ہودہ قسموں پر تم سے مؤخذہ نہیں فرماتے گا مگر ان کا مؤاخذہ ضرور فرمائے گا جن کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہو۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا بہت حلم والا ہے۔

سابقہ انبیا کی امتوں کا ان چیزوں پر مواخذہ ومحاسبہ ہوتا تھا۔

دلائل و براہین کے طلب کرنے کی وجہ سے کی گئی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ ان پر سختی ان کی کوتاہیوں اور بدعملیوں کی وجہ سے کی گئی تھی لیکن اللہ کا شکر ہے کہ امت محمدیہ کے لیے ایسی کوئی بات نہیں۔

سورت آل عمران

نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض گزار ہوئے کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ ہمارے صاحب کو برا بھلا کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہارا صاحب کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا عیسیٰ بن مریم، آپ ان کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

۱۔ الاحزاب: ۵

۲۔ البقرہ: ۲۲۵

انہوں نے پوچھا کیا مخلوق میں ایسی کوئی مثال ہے وہ تو بغیر باپ کے پیدا کیے گئے ہیں تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ (۱)

بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی سی ہے جسے اس نے مٹی سے بنایا پھر اسے فرمایا ہو جا وہ ہو گیا یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

پھر ان سے مباہلے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ (۲)

پس آپ کے پاس علم آ جانے کے بعد جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں آپ سے جھگڑا کرے تو آپ فرما دیں کہ آ جاؤ ہم مل کر اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تمہیں بھی ایک جگہ پر بلا لیتے ہیں پھر ہم مباہلہ (یعنی گڑگڑا کر دعا) کرتے ہیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم یہ کہیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں جھوٹ گھڑنے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔ نجران کے عیسائیوں کا وفد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کٹ حجتی کرنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت مباہلہ دی، چناں چہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت علی حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنے ہم راہ لے کر تشریف لے آئے۔

۱۔ البقرہ: ۵۹۔۶۰

۲۔ البقرہ: ۶۱

تفصیلات کچھ اس طرح ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کے پاس ایک مکتوب ارسال کیا تھا۔ جس میں تین دفعات درج تھیں۔

۱۔ اسلام کی دعوت

۲۔ جزیہ

۳۔ قتال

اہل نجران نے باہم مشاورت کر کے شرجیل بن عبداللہ بن شمرجیل اور جبار ابن فیض کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہ طور وفد بھیجا۔ بات چیت کا موضوع زیادہ تر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہی رہا۔ بالآخر اتمام حجت کے لیے آپ نے ان کو دعوت مباہلہ دی فیصلہ کے لیے اس صورت کے پیش کرنے کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ عیسائیوں کا یہ وفد جان بوجھ کر ہٹ دھرمی کر رہا ہے جن باتوں کو ان کے سامنے رکھا گیا تھا ان کا کوئی معقول جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور آپ کی پاکیزہ تعلیمات اور اصحاب کرام کی جماعت کو دیکھ کر وہ کافی متاثر بھی ہو چکے تھے، وہ پورے عقیدت مند نہ سہی مگر تذبذب میں ضرور مبتلا ہو گئے تھے، آپ نے ان کو پیش کش کی کہ آؤ ایک دوسرے کے مقابلے میں دعا کریں جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو تو کوئی بھی مقابلے کے تیار نہ ہوا وہ لوگ مباہلے سے گھبرا گئے اور جزیہ دینے پر صلح کر لی اس سے حق و باطل کا امتیاز ہو گیا سچے اور جھوٹے کا فرق نمایاں ہو گیا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کے دفاع کی ایک شکل تھی۔ یعنی اس نے اپنے نبی کو وہ بات تلقین فرمائی جس سے وہ اپنے مدمقابل اور مناظر کو جواب دے سکیں حال آں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سب سے زیادہ فصیح اللسان بلیغ البیان اور مناظرے اور جدال سے واقف اور اپنے مدمقابل کو سمجھانے کی قوت و طاقت رکھنے والے تھے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے چاہا کہ اپنی خاص عنایت کا اظہار فرما دے۔

پھر یہودیوں اور عیسائیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر گام زن ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد اس طرح فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۱)

- ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی وہ ہر باطل سے جدا رہنے والے سچے مسلمان تھے اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہ تھے۔ بے شک سب لوگوں سے بڑھ کر ابراہیم علیہ السلام کے قریب تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے ان کے دین کی سچی پیروی کی ہے اور وہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والے ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام کا ذکر فرمایا، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نہ لے کر نبوت ورسالت کے وصف کا ذکر فرمایا ہے اس میں بھی آپ کی فضیلت ہے حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''القول البدیع میں اس فضیلت وکرامت کا ذکر کیا ہے اور یہ کرامت ابراہیمی کی مطابقت وموافقت کا دعویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان تو کر سکتے ہیں مگر اہل کتاب کو یہ دعویٰ زیب نہیں دیتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ (۲)

اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیا سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کردوں پھر تمہارے پاس وہ سب پر عظمت والا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی

۱۔ آل عمران: ۶۷۔۶۸

۲۔ ال عمران: ۸۱

مدد کرو گے: فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا، سب نے عرض کیا کہ ہم نے اقرار کرلیا۔ فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زبردست اعزاز ہے کہ اس نے تمام انبیا ورسل سے اس بات کا عہد لیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے زمانے میں مبعوث ہوئے تو وہ آپ کی نصرت کریں گے۔ مددگار ومعاون بنیں گے اور آپ پر ایمان لائیں گے۔

یعنی اس آیت میں یہ بتلایا جارہا ہے کہ اے کافرو! تم پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر کمر باندھے ہوئے ہو، حال آں کہ ان کی عظمت ورفعت کا عالم یہ ہے کہ تمام انبیا رسل اور ان کی امتوں سے ان کو سچا ماننے اور ان کی تائید ونصرت کا عہد لیا جاتا رہا ہے پھر تم کس شمار میں ہو۔ اس آیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نبی الانبیا والرسل ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے پچھلے انبیا ورسل اپنی اپنی امتوں کے نبی اور رسول تھے مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی الانبیا والرسل بھی ہیں اور نبی الاحم بھی ہیں۔

حدیث مبارکہ میں منقول ہے کہ اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی میرا اقبال کرتے اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو وہ بھی قرآن کریم اور تمہارے نبی کی اتباع کریں گے اس سے آپ کی نبوت ورسالت کا عالمی ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

علامہ بوصیری فرماتے ہیں:

فأنه شمس فضل، هم كواكبها
يظهون انوارها للناس فى الظلم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج ہیں۔ جب کہ دوسرے انبیا ستارے ہیں، جن کی روشنی اندھیرے میں ظاہر ہوتی ہے۔

یہاں مزید وضاحت یہ بھی ہو جائے کہ مفسرین کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر نبی ورسول سے اس کے بعد آنے والے نبی

کے بارے میں عہد و میثاق لیا تھا۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ اگر ان کے سامنے کوئی نبی و رسول آئے تو ان کی تصدیق کرے تو وہ اس پر ایمان لائیں اس کی نصرت کریں اسی طرح اللہ نے حضرت ادریس حضرت نوح حضرت ہود حضرت صالح اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہ میثاق لیا تھا۔ لیکن یہ تفسیر اگرچہ سعید بن جبیر اور طاؤس کی ہے اور ان حضرات کی یہ رائے ہے لیکن یہ درست نہیں۔ تفسیر پہلی ہی درست ہے اور اس کی چند وجوہات ہیں:

۱۔ قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی حدیث صحیحہ میں وارد نہیں ہوا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے نبی کے علاوہ کسی اور نبی کے لیے بھی یہ عہد و میثاق لیا ہو۔

۲۔ قرآن کریم نے ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی اور رسول کی یہ صفت بیان نہیں کی ہے کہ وہ اپنے سابق انبیا کی تصدیق کرتا ہے اور نہ ہی قرآن کریم کے علاوہ کسی اور کتاب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ کتب سابقہ کی تصدیق کرنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ (۱)

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن مجید) آئی جو اس کتاب (تورات) کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جو ان کے پاس موجود تھی حال آں کہ اس سے پہلے وہ خود کافروں پر فتح یابی کی دعا مانگتے تھے۔

دوسرے مقام پر وارد ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۲)

۱۔ البقرہ: ۸۹

۲۔ البقرہ: ۹۷

آپ فرمادیں جو شخص جبریل کا دشمن ہے کیوں کہ اس نے تو اس قرآن کو آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔ جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ اور مؤمنوں کے لیے سراسر ہدایت اور خوش خبری ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ (۱)

اور اسی طرح جب ان کے پاس اللہ کی جانب سے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آئے جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی۔ تو ان ہی اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی اس کتاب (تورات) کو پس پشت پھینک دیا گویا وہ اس کو جانتے ہی نہیں (حال آں کہ اسی تورات نے انہیں نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی تھی)۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (۲)

اور (اے نبی مکرم) ہم نے آپ کی طرف بھی سچائی کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے پہلے کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان پر نگہبان ہے۔

پھر ارشاد ہے:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ (۳)

۱۔ البقرہ: ۱۰۱

۲۔ المائدہ: ۴۸

۳۔ الانعام: ۹۲

اور یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے بابرکت ہے جو کتابیں اس سے پہلے تھیں ان کی اصلاً تصدیق کرنے والی ہے۔

لیکن جب بعینہ یہی بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان کی تو فرمایا:

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۙ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۴۶﴾ (۱)

اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور تھا اور یہ انجیل بھی اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور سراسر ہدایت تھی اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت تھی۔

وہ حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم السلام وغیرہ پر نازل ہونے والی شریعتوں کی تکمیل کرنے والی بھی، اس لیے کہ دونوں کی شریعتیں بھی الگ الگ تھیں اور خاص اس لیے بھی کہ ان تمام کتب کی تصدیق کرنا اور ان کی نگرانی کرنا قرآن مجید فرقان حمید ہی کی خصوصیت ہے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام ہے اور آپ کی شریعت دائمی اور ابدی ہے اس لیے یہی مناسب معلوم ہوا کہ تمام انبیا و رسل سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی مدد و نصرت کا عہد و میثاق لیا جائے، اگر آپ ان کے زمانہ میں مبعوث ہوتے۔

اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت عام تھی اور ان انبیا و رسل کو بھی شامل تھی۔ اس بات کے برخلاف کہ دیگر انبیا و رسل کو ان کی خاص قوم اور علاقے کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی وقت میں دو تین یا اس سے زیادہ انبیا و رسل بھی جمع ہو جاتے تھے اور ہر علاقے کا اپنا ایک نبی ہوتا تھا، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام ایک ساتھ تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام ساتھ ساتھ تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام ساتھ ساتھ تھے اور یہ بات ثابت نہیں

۱۔ المائدہ: ۴۶

ہے کہ کسی ایک نبی نے اپنی قوم کو چھوڑ کر کسی دوسرے نبی کی پیروی کی ہو یا اس نبی نے اپنی قوم اور علاقے کے لوگوں کو کسی دوسرے نبی کی اتباع کا حکم دیا ہو۔ بل کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام علم لدنی حاصل کرنے کے لیے نہ جاتے تو ان کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات بھی نہ ہو پاتی۔ اس پر صرف اس آیت سے اشکال ہوسکتا ہے جو حضرت زکریا کے بارے میں ہے:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ (۱)

ابھی وہ حجرے میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے (یا دعا ہی کر رہے تھے) کہ انہیں فرشتوں نے آواز دی بے شک اللہ آپ کو فرزند یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو کلمۃ اللہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور عورتوں کی رغبت سے بہت محفوظ ہوگا اور ہمارے خاص نیکوکار بندوں میں سے نبی ہوگا۔

لیکن اس بات کا جواب یہ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر ان کی تصدیق نہیں کی، جیسا کہ تورات و انجیل اور دیگر کتب سماویہ نے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر اور اوصاف وصفات بتلا کر بشارت دی، بل کہ انہوں نے صرف اس انداز سے ان کی تصدیق کی کہ وہ اللہ کا کلمہ ہوں گے، یعنی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک معجزہ ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں فرمادیا ہے:

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً (۲)

اور ہم نے ابن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) کو اور ان کی ماں کو اپنی نشانی بنایا۔

دراصل اس میں نصاریٰ کی تردید کرنا مقصود تھی اور نصاریٰ کو یہ بتانا تھا کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ مانتے ہیں، یعنی جنہیں اللہ

۱۔ آل عمران: ۳۹

۲۔ المومنون: ۵۰

تعالیٰ نے کلمہ کن سے تخلیق فرمایا تو ان کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ ابن اللہ ہیں، تین خداؤں میں سے ایک ہیں سراسر بطال ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۴۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بزرگ انبیا علیہم السلام کے حوالے سے خبر دی ہے کہ انہوں نے ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارتیں دی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل کی دعا ہم بیان کر چکے ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (۱)

اور آگے یہ قول بھی بیان ہو رہا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (۲)

(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں۔ جن (کے اوصاف وکمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

یہ اوصاف آپ کے علاوہ کسی اور نبی یا رسول کی شان میں وارد نہیں ہوئے، اسی بنا پر تبع الاکبر، حبیب بن اسرائیل النجار، اور ورقہ بن نوفل جیسے لوگ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی آپ پر ایمان لا چکے تھے جب کہ آپ سے پہلے کسی نبی اور رسول پر اس کے ظہور سے پہلے ایمان نہیں لایا گیا تھا، جیسا کہ زمخشری نے لکھا ہے۔

۵۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے اپنے نبی کی نصرت کا اہتمام فرمایا، جنہوں نے آپ کے ساتھ مل کر قتال و جہاد کیا۔ جس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں ہوگا۔ پھر جب ملائکہ پر جو کسی بھی نبی یا کسی رسول کی شریعت کے مکلف اور پابند نہیں ہوتے، ان پر آپ کی مدد لازم تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادران انبیا علیہم السلام پر تو آپ کی مدد کرنا بہ درجہ اولیٰ واجب ہوا۔

۱۔ البقرہ: ۱۲۹

۲۔ آل عمران: ۱۵۷

۶۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تورات وانجیل میں آپ کے صحابہ کے وصف بیان کیے ہیں جیسا کہ سورت الفتح میں مذکور ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

ان تمام وجوہات کی بنا پر جو سب قرآن مجید فرقان حمید سے ہی ماخوذ ہیں، ثابت ہوتا ہے کہ آیت میثاق صرف اور صرف ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عالی شان میں ہے اس میں کسی اور کا کوئی حصہ نہیں، میں نے الاستغاثہ میں شعر کہا تھا:

وفی أیة المیثاق عهد مؤکد

من الله للرسل الکرام بجملة

اور یہ آیت میثاق میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسل سے تاکیدی عہد لیا تھا۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ (۱)

تم بہترین امت ہو جو سب لوگوں کی رہ نمائی کے لیے ظاہر کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

امت محمد یہ علیصاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو دیگر امتوں پر فضیلت دی گئی ہے، اس میں بھی نبی کریم صلی اللہ علہ وسلم کا اعزاز واکرام ہے۔ اس لیے کہ تابع کا شرف متبوع کی وجہ سے ہوتا ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جعلت امتی خیر الامم

میری امت تمام امتوں میں سے بہترین امت بنادی گئی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کنتم کا خطاب ساری امت محمد یہ کو ہے۔ امت کی خیریت مستلزم ہے خیریت نبی کو یعنی یہ امت تمام امتوں سے اس لیے افضل ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاورسل سے افضل ہیں۔

لما ادعنی الله داعینا لطاعة

۱۔ آل عمران: ۱۱۰

یا کرم الرسل لنا اکرم الذمم

جب میدان بدر میں مسلمانوں اور کفار ومشرکین کا آمنا سامنا ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمان کم اور کفار زیادہ ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ رُو ہو کر اپنے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی:

اے اللہ! اپنے وعدے کو پورا فرما اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کو پورا فرما اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک کردی گئی تو تیری زمین میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورت آل عمران اور سورت الانفال کی یہ آیات نازل فرمائیں، یہاں دونوں مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ (۱)

اور اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی حال آں کہ تم اس وقت بالکل بے سروسامان تھے۔

یہ مدد ونصرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا نتیجہ تھی اور جب تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت رہے گی فتح نصیب ہوتی رہے گی اور جب بندگی و اطاعت میں کمی آئے گی تو نصرت ومدد بھی کم ہوجائے گی۔

سورت الانفال میں ذکر ہے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ (۲)

(وہ وقت یاد کرو) جب تم اپنے رب سے مدد کے لیے فریاد کررہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد قبول فرمالی۔ (اور فرمایا) میں ایک ہزار پے در پے آنے والے

۱۔ آل عمران: ۱۲۳

۲۔ الانفال: ۹

فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔

اپنے رب سے فریاد کرنے والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے یہاں پر جمع کا صیغہ آپ کی عظمت وفضیلت پر دلالت کرتا ہے چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ پہلے تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے آپ کی مدد فرمائی، جیسا کہ ارشاد ہے:

إِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ (۱)

جب آپ مسلمانوں سے فرمارہے تھے کہ کیا یہ تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے۔ ہاں اگر تم صبر کرتے رہو اور پرہیزگاری قائم رکھو اور وہ کفار تم پر اسی وقت پورے جوش سے حملہ آور ہوجائیں تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان والے فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائے گا:

غزوۂ بدر میں خدائی فوج نازل ہوئی یعنی ملائکہ یعنی پہلے ہزار فرشتوں کی کمک پھر تین ہزار کی اور پھر پانچ ہزار کی۔

سورت الانفال میں ہے:

إِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ (۲)

(اے حبیب مکرم! اپنے اعزاز کا وہ منظر بھی یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے فرشتوں کو پیغام بھیجا کہ (اصحاب رسول کی مدد کے لیے) میں بھی تمہارے ساتھ

۱۔ آل عمران: ۱۲۴۔۱۲۵

۲۔ الانفال: ۱۲

ہوں سو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو میں ابھی کافروں کے دلوں میں (لشکر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا) رعب و ہیبت ڈالے دیتا ہوں سو تم کافروں کی گردنوں کے پور سے ضرب لگانا اور ان کے ایک ایک جوڑ کو توڑ دینا۔

چناں چہ جب کوئی صحابی مجاہد کسی مشرک کی گردن مارنے کا ارادہ کرتا تو اس کی تلوار اس کے سر تک پہنچنے سے پہلے اس کا سر تن سے جدا ہو جاتا فرشتہ اس سے پہلے ہی اس مشرک کافر کی گردن اڑا دیتا۔ یہ ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتال میں حصہ لیا اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ فرشتے حوصلہ بڑھانے آئے تھے لیکن قتال میں حصہ نہیں لیا وہ فرماتے ہیں کہ وہ فرشتے مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھتے تھے ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے اور وہ فرشتے مومنین سے کہتے تھے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور کافروں کے ہر ہر جوڑ پر ضرب کاری لگاؤ۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ (۱)

یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ اس کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

ان آیات سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے ذریعے تین مرتبہ اپنے نبی کی مدد کی۔ پہلے ہزار سے پھر تین ہزار سے پھر پانچ ہزار سے۔

۲۔ فرشتے انسانی شکلوں میں تھے اور گھوڑوں پر سوار تھے سروں پر عمامے باندھے ہوئے تھے جیسا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سروں پر عمامے باندھے ہوئے تھے انہوں نے مشرکین سے جنگ کی ان میں سے بعض کو قید کیا بعض کو قتل کیا اور بہت سے صحابہ کو قید ہونے یا قتل ہونے سے بچایا، اور مشرکین کو قید کرنے میں صحابہ کرام کی مدد کی۔

۱۔ الانفال: ۱۳

عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا عمامہ زرد رنگ کا تھا اس لیے ملائکہ بھی زرد رنگ کے عمامہ کے ساتھ نازل ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں کہ فرشتے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے جن کے شملے مونڈھوں کے درمیان میں پڑے ہوئے تھے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کے عماموں کا رنگ شتر مرغ کے پاؤں کے رنگ جیسا نظر آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کے عماموں رنگ سفید اون جیسا نظر آیا۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو سرخ رنگ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے عمامے کے رنگ جیسا یعنی زرد نظر آیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے قلوب میں مسلمانوں کی ہیبت و رعب ڈال کر اپنے نبی کی نصرت فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> مجھے چھ چیزوں کی وجہ سے دیگر انبیا پر فضیلت دی گئی ہے مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں، رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے، غنیمت کو میرے لیے حلال کیا گیا ہے، ساری روئے زمین میرے لیے پاک اور سجدہ گاہ بنادی گئی ہے، مجھے تمام مخلوق کا سردار بنایا گیا ہے اور میرے ذریعے سلسلہ نبوت کو ختم فرمایا ہے۔

یہ وہ فضائل ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سے پہلے کسی اور نبی اور رسول کو نہیں دیے گئے۔

تنبیہات

۱۔ صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے:

> وہ فرماتے ہیں کہ میں نے احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں جانب دو فرد دیکھے جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے اور وہ آپ کی طرف

سے قتل وقتال کررہے تھے، میں نے انہیں نہ کبھی پہلے دیکھا اور نہ بعد میں، یہ دونوں حضرات جبریل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے نزدیک مکرم ومحترم ہونے کا ذکر ہے کہ اس نے فرشتوں کو بھیج کر جنہوں نے آپ کے ساتھ مل کر قتال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام واحترام فرمایا ہے اور اس حدیث میں اس بات کا بھی ذکر موجود ہے کہ فرشتوں کا جنگ میں مسلمانوں کی نصرت کرنا صرف غزوۂ بدر کے ساتھ مختص نہیں ہے، یہی بات بہ درجہ اولیٰ درست ہے جب کہ بعض علما نے اسے صرف اور صرف بدر کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن یہ حدیث پاک صراحتاً ان کا رد کررہی ہے۔

۲۔ اس دور کے چرب زبان کہتے ہیں کہ فرشتوں کے ذریعے مدد ونصرت دراصل روحانی قوت وامداد سے کنایہ ہے، یہ جہالت کی انتہا ہے اور اللہ کی کتاب میں تحریف کے مترادف ہے یہ حضرات ایک ہزار تین ہزار اور پانچ ہزار کی تعداد کو کیسے نظر انداز کرسکتے ہیں۔

پھر قرآن مجید وفرقان حمید میں فرشتوں کی صفات ''مردفین'' اور ''مسومین'' سے کیسے صرف نظر کرلی، کیا روحانی قوت ومدد کو کمیت اور کیفیت سے ناپا جاسکتا ہے اور اگر اس تاویل کو مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے باقی جنگوں میں یعنی جنگ خیبر اور فتح مکہ وغیرہ کے مواقع پر روحانی قوت ونصرت سے اپنے نبی کی مدد نہیں فرمائی۔ جب کہ یہ صریح بطلان ہے اس لیے کہ اللہ عزوجل نے کسی ایک لمحہ اور لحظہ کے لیے بھی اپنے نبی مکرم کا ساتھ نہیں چھوڑا بل کہ تمام غزوات اور امور میں روحانی قوت ونصرت فرمائی سب سے کٹھن لمحے پر آپ نے اپنے دوست سے کہا تھا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (۱)

غم زدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اور اس وقت بھی جب آپ نے اپنے عم محترم سے کہا تھا کہ جب انہوں نے اس تبلیغ کو چھوڑنے کا مشورہ دیا تھا جس کے بدلہ میں قوم نے آپ کے سامنے خطیر مال کی پیش کش کی

۱۔ توبہ: ۴۰

تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا:

کہ اے چچا اللہ کی قسم! اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور اس دعوت کو چھوڑنے کا کہیں تو اس کو نہیں چھوڑ سکتا مگر یہ کہ اللہ اس دین کو غالب کر دے یا اس راستے میں میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دوں۔

لیکن بدر میں اللہ رب العزت نے حسی طور پر بھی آپ کی نصرت فرمائی۔

کتاب وسنت میں اس کی صراحت موجود ہے اور جن حضرات صحابہ نے اسے دیکھا ہے، محسوس کیا ہے انہوں نے اس کی گواہی دی ہے بل کہ خود مشرکین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے جیسا کہ بہت سے صحابہ کرام کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے علاوہ بھی ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو قتل کر رہے تھے اور قیدی بنا رہے تھے۔ غزوہ بدر میں انہوں نے اس کی صراحت کی اور بعد میں وہ یہ بات لوگوں میں بیان کرتے تھے۔

اس حسی نصرت کے ساتھ ساتھ معنوی مدد ونصرت کو بھی شامل کر لیں۔ جس کی اس آیت میں صراحت موجود ہے۔ یعنی ''کفار کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت و رعب ڈالنا تو یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر تمام انبیا و رسل پر فضیلت دی ہے، جنہیں روحانی مدد تو ملتی تھی مگر حسی نہیں، بل کہ روحانی نصرت تو تمام اہل ایمان کے لیے ہوتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۔ (۱)

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس اللہ نے ایمان ثبت فرما دیا ہے اور انہیں اپنی روح (یعنی فیض خاص) سے تقویت بخشی ہے۔

۳۔ قرآن مجید نے اشارتاً بتا دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی اور کے لیے فرشتوں کی نصرت وحمایت نہیں اتاری گئی۔

قرآن مجید میں ذکر ہے:

۱۔ المجادلہ: ۲۲

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ (۱)

اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے (فرشتوں کا) کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہی ہم (ان کی ہلاکت کے لیے فرشتوں کو) اتارنے والے تھے۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے معاملے کے لیے فرشتے کی آواز سے ہی کافی ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا، جیسا کہ جنگ بدر اور جنگ خندق کے دن بھیجا تھا۔

اگر پڑھنے والے یہ کہیں کہ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ 'اور نہ ہی ہم اتارنے والے تھے'' کا کیا مطلب ومفہوم ہے؟ تو میں یہ کہوں گا کہ اس کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ ہماری حکمت میں یہ بات مناسب نہ تھی کہ ہم حبیب النجار کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے کوئی لشکر بھیجیں۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نافرمان قوم کو علیحدہ علیحدہ طریقوں سے ہلاک کیا اور اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور تھی۔ ان آیات کو ملاحظہ فرمائیے:

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ (۲)

اور ان میں سے وہ طبقہ بھی تھا جس پر ہم نے پتھر برسانے والی آندھی بھیجی اور ان میں سے وہ طبقہ بھی تھا جسے دہشت ناک آواز نے آ پکڑا اور ان میں سے وہ طبقہ بھی تھا جسے ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے ایک وہ طبقہ بھی تھا جسے ہم نے غرق کر دیا۔

اگر قارئین پوچھیں کہ پھر جنگ بدر اور جنگ خندق کے دن اللہ نے آسمان سے لشکر کیوں بھیجا؟ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ یاسین: ۲۸

۲۔ العنکبوت: ۴۰

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ط (۱)

تو ہم نے ان پر ہوا اور (فرشتوں کے) لشکروں کو بھیجا جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔

بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ (۲) بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ (۳) بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ (۴)

میں کہتا ہوں کہ اس کام کے لیے ویسے تو ایک ہی فرشتہ کافی تھا جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ایک پر سے ہلاک کیا گیا اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو حضرت جبریل کی چیخ سے ہلاک کیا گیا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیا ورسل پر، چہ جائے کہ جناب حبیب النجار پر فوقیت وفضیلت دی اور انہیں ایسے اعزاز واکرام سے نوازا جس سے آپ سے پہلے کسی اور کو نہیں نوازا گیا اسی اکرام و اعزاز کی وجہ سے اللہ رب العزت نے آپ کے لیے آسمان سے لشکر اتارے اور "**وما انزلنا**" "**وما کنا منزلین**" سے اس بات کی طرف لطیف اشارہ بھی فرمادیا کہ لشکروں کا اتارنا ایسے عظیم کاموں میں سے ہے جس کے لیے آپ ہی منتخب ہوسکتے ہیں دوسرے اس میں شریک نہیں ہوسکتے۔

مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ہم بتوں کی پوجا اللہ تعالیٰ کی محبت میں کرتے ہیں، تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قریب کردیں، نجران کے نصاریٰ نے کہا کہ ہم تو اللہ کی محبت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی عبادت کرتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط (۵)

۱۔الاحزاب:۹

۲۔الانفال:۹

۳۔آل عمران:۱۲۴

۴۔آل عمران:۱۲۵

۵۔آل عمران:۳۱

(اے حبیب) آپ فرمادیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔

اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و پیروی کو اپنی محبت اور مغفرت کا سبب قرار دیا، یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا صحیح ذریعہ اللہ کے نبی سے محبت کرنا ہے اور اللہ کے نبی سے محبت کرنے کا صحیح طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنا اور ان کی سنتوں کی پیروی کرنا ہے اس طرح تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرسکو گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعالما جئت بہ

تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہوجائیں۔

لہٰذا جو شخص بھی اپنے ایمان یا اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کرتا تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور سب سے کھلم کھلا کذب یہ ہے کہ اس آیت میں بیان کیے اصول کے علاوہ فلسفہ یا ریاضی کے کسی اصول کے ذریعے اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے یا اس تک پہنچنے کے امکان کا دعویٰ کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ (۱)

آپ فرمادیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ایک ہی چیز ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس بات کا حکم فرماتے ہیں جس سے اللہ

۱۔ آل عمران: ۳۲

راضی ہو جائے۔ یہاں ایک مسئلہ بیان کرنا ضروری ہے جو کہ ہم نے قرآن مجید کے اسلوب ہی سے استنباط کیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اپنے ذکر کے ساتھ اپنے حبیب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو ملا کر بیان کیا ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ جو ابھی بیان کی گئی ہے۔

ایسی چند اور آیات ہیں جو ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں:

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ (۱)

پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ پر خبردار ہو جاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ (۲)

اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہل حق) صاحبان امر کی پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلے کے لیے) اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۳)

اور جو شخص بھی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۴)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد

۱۔ البقرہ: ۲۷۹

۲۔ النساء: ۵۹

۳۔ النساء: ۱۰۰

۴۔ المائدہ: ۳۳

انگیزی کرتے پھرتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ (۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آجاؤ۔

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱ (۲)

فرما دیجیے احوال غنیمت کے مالک اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی معالات کو درست رکھا کرو اور اللہ اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۳ (۳)

یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ اسے سخت عذاب دینے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ (۴)

اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیانت نہ کرو۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ (۵)

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بے زاری (دست برادری) کا اعلان ہے ان مشرک لوگوں کی طرف جن سے تم نے (صلح وامن)

۱۔ النساء: ۶۱

۲۔ الانفال: ۱

۳۔ الانفال: ۱۳

۴۔ انفال: ۲۷

۵۔ التوبہ: ۱

کا معاہد کیا تھا (اور وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے تھے)

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ (۱)

اور (یہ آیات) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے تمام لوگوں کی طرف حج اکبر کے دن اعلان عام ہے کہ اللہ مشرکوں سے بے زار ہے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی (ان سے بری الذمہ ہے)

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ (۲)

(اے نبی مکرم!) آپ فرمادیں اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے دیگر رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (۳)

(اے مسلمانو!) تم اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ بھی جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یوم آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں

۱۔ التوبہ: ۳

۲۔ التوبہ: ۲۴

۳۔ التوبہ: ۲۹

جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ (۱)

اور ان سے ان کے نفقات (یعنی صدقات) کے قبول کیے جانے میں کوئی اور چیز انہیں مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ (۲)

اور اگر وہ اسی پر راضی ہو جاتے جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے، جلد اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے ہمیں اور دے گا۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (۳)

(یہ منافقین) تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، تاکہ تمہیں راضی رکھیں حال آں کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ حق دار ہیں سے کہ اسے راضی کیا جائے اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ (۴)

کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لیے دوزخ کی آگ مقرر ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے

۱۔ التوبہ: ۵۴

۲۔ التوبہ: ۵۹

۳۔ التوبہ: ۶۲

۴۔ التوبہ: ۶۳

والا ہے۔

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ (۱)

فرمادیجیے کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مذاق کررہے تھے؟

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ (۲)

اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز بجالاتے ہیں، اور زکاۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ (۳)

اور وہ لوگ جنہوں نے (اپنے دعوی ایمان میں) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا تھا (جہاد چھوڑ کر پیچھے) بیٹھے رہے۔

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ (۴)

اور اب تمہارا عمل اللہ دیکھے گا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی۔

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ (۵)

اور اس شخص کی گھات کی جگہ بنانے کی غرض سے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہی جنگ کررہا ہے۔

اَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

۱۔ التوبہ: ۶۵

۲۔ التوبہ: ۷۱

۳۔ التوبہ: ۹۰

۴۔ التوبہ: ۹۴

۵۔ التوبہ: ۱۰۷

وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۵۰ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵۱ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۵۲ (۱)

کیا ان کے دلوں میں (منافقت کی) بیماری ہے یا وہ (شان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں) شک کرتے ہیں یا وہ اس بات کا اندیشہ رکھتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر ظلم کریں گے (نہیں) بل کہ وہی لوگ ظالم ہیں۔ ایمان والوں کی بات تو فقط یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو وہ یہی کچھ کہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم سراپا اطاعت پیرا ہو گئے اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا اور اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے پس ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ (۲)

ایمان والے تو وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں۔ اور جب وہ آپ صلی اللہ علیہ والہ سلم کے ساتھ کسی ایسے (اجتماعی) کام پر حاضر ہوں جو لوگوں کو یکجا کرنے والا ہو تو وہاں سے چلے نہ جائیں (یعنی امت میں اجتماعیت اور وحدت پیدا کرنے کے عمل میں دل جمعی سے شریک ہوں) جب تک کہ وہ (کسی خاص عذر کے باعث) آپ سے

۱۔ النور: ۵۰۔۵۲

۲۔ النور: ۶۲

اجازت نہ لے لیں بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھنے والے ہیں۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ (۱)

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرے تو بے شک اس کے لیے دوزخ کی آگ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

مذکورہ آیات مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ساتھ ملا کر اپنے حبیب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا ہے، یہ ایک ایسا اعزاز واکرام ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہ ہوسکا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنگ احد کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے اپنے لشکر کی پیٹھ پہاڑ کی طرف کی اور لشکر کی ترتیب فرماتے وقت مجاہدین صحابہ کی ایک جماعت کو پہاڑ کی چوٹی پر متعین فرمادیا اور عبداللہ ابن جبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا اور انہیں نصیحت کی:

تم تیروں سے ہمارا دفاع کرنا وہ ہمارے پیچھے سے ہم تک نہ پہنچنے پائیں، اور تم لوگ اس جگہ سے مت ہٹنا خواہ ہم ماریں جائیں یا جیتیں۔

پہلے پہل تو مسلمان غالب آ گئے اور مشرکین مکہ کو پسپا ہونا پڑا ان تیراندازوں میں سے کچھ پہاڑ کی چوٹی کی طرف سے ہٹ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہوگئی پھر کفار نے پیچھے سے حملہ کردیا جنگ کی کایا پلٹ گئی تو اب مسلمان شکست سے دوچار ہوگئے اور بھاگنے لگے، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو پکار رہے تھے کہ اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، ان کو تعجب ہوا کہ مسلمان ہوتے ہوئے ان کو شکست کیسے ہوئی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو سرزنش کرتے ہوئے ان آیات کو نازل کیا اور واضح فرمادیا کہ ان کی شکست کی وجہ یہ ہے کہ ان میں اختلاف رونما ہوا، اور انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم عدولی کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ الجن: ۲۳

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ
وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ
مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ
عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ
فِىْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ
اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ
اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا
مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَىْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا
لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَىْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ
قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِىْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى
مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىْ
قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ
وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ
كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ
حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾
وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا
يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ
مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ
حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا

عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ (۱)

اور بے شک اللہ نے تمہیں اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے انہیں قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم نے بزدلی دکھائی اور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) حکم کے بارے میں جھگڑنے لگے اور تم نے اس کے بعد ان کی نافرمانی کی جب کہ اللہ نے تمہیں وہ (فتح) دکھا دی تھی جو تم چاہتے تھے تم میں سے کوئی دنیا کا خواہش مند تھا اور تم میں سے کوئی آخرت کا طلب گار تھا پھر اس نے تمہیں ان سے (مغلوب کر کے) پھیر دیا تا کہ وہ تمہیں آزمائے بعد ازاں اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ اہل ایمان پر بڑا فضل کرنے والا ہے جب تم (افراتفری کی حالت میں) بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جماعت میں (کھڑے) جو تمہارے پیچھے (ثابت قدم) رہی تھی تمہیں پکار رہے تھے پھر اس نے تمہیں غم پر غم دیا (یہ نصیحت وتربیت تھی) تا کہ تم اس پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہا اور اس مصیبت پر جو تم پر آن پڑی رنج و نہ کرو، اور اللہ نے غنودگی کی صورت میں امان اتاری جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا گئی اور ایک گروہ کو (جو منافقوں کا تھا) صرف اپنی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی وہ اللہ کے ساتھ ناحق گمان کرتے تھے۔ جو محض جاہلیت کے گمان تھے وہ کہتے ہیں کہ کیا اس کام میں ہمارے لیے بھی کچھ اختیار ہے؟ فرما دیں کہ سب کام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپائے ہوئے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں ہونے دیتے کہتے ہیں کہ اگر اس کام میں ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم اس جگہ قتل نہ کیے جاتے فرما دیں! اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ ضرور اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔ اور یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے اور جو (وسوسے) تمہارے دلوں میں ہیں انہیں خوب

۱۔ آل عمران: ۱۵۲۔۱۵۹

صاف کردے اور اللہ سینوں کی بات خوب جانتا ہے، بے شک جو لوگ تم میں سے اس دن بھاگ کھڑے ہوئے تھے جب دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہوگئی تھیں تو انہیں محض شیطان نے پھسلا دیا تھا ان کے کسی عمل کے باعث جس کے وہ مرتکب ہوئے بے شک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے۔ اے ایمان والو! تم ان کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے ان بھائیوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں جو کہیں سفر پر گئے ہوں یا جہاد کر رہے ہوں (اور وہاں مر جائیں) کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے تاکہ اللہ اس گمان کو ان کے دلوں میں حسرت بنائے رکھے اور اللہ ہی زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جاؤ یا تمہیں موت آ جائے تو اللہ کی مغفرت او رحمت اس (مال و متاع) سے بہت بہتر ہے جو تم جمع کرتے ہو اور اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ تو تم سب اللہ ہی کے حضور جمع کیے جاؤ گے (اے حبیب والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لیے بخشش مانگا کریں اور کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

ان آیات سے چند باتوں کا علم ہوتا ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت رحمت کی عظمت کا بیان، اس لیے رحمت کو ''نکرہ'' لایا گیا جو تعظیم و تکریم کے معنی میں آتا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ عزوجل کے بعد سب سے زیادہ مہربان، شفیق اور رحم کرنے والے ہیں اور یہ بات حدیث نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ کے اسمائے مبارکہ میں ایک نام ''نبی رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم'' بھی ہے۔

۲۔ آپ سے سختی و درشتی کی نفی۔ سختی، گرفتگی اور درشتی یہ متکبرین کی صفات ہیں، جب کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت منکسر المزاج اور متواضع شخصیت تھے اور آپ کا قلب نرمی ومحبت والفت سے معمور تھا۔

۳۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جو خود غفور ودرگزر کرنے والی ذات ہے، اپنے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کر رہا ہے کہ آپ اپنے اصحاب کو معاف کر دیں اگر چہ انہوں نے آپ کی حکم عدولی کی ہے آپ انہیں معاف کر دیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ان کو معاف فرمادے گا یہ ایک ایسا اعزاز واکرام ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی ورسل کو حاصل نہیں ہوا۔

غزوہ احد کی شکست سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو جسمانی اور روحانی صدمات پہنچے تھے ممکن تھا کہ صحابہ کرام کی طرف سے آپ کے قلب اطہر میں کچھ تکدر پیدا ہوتا جو ان کے لیے مضر ہوتا اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نئے آہنگ سے ان کے ساتھ لطف وکرم سے پیش آنے کی تلقین فرمائی، اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منقبت وعظمت کا اظہار بھی اس طرز پر ہے کہ یہ خوبیاں اور صفات کریمانہ آپ میں پہلے سے فطری ہیں بس اس کا اظہار فرمادیجیے غزوہ بدر کے مال غنیمت میں سے ایک چادر لاپتہ ہوگئی منافقین میں سے کسی نے شرارتاً تہمت لگائی کہ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند کر کے خود ہی رکھ لی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس تہمت سے اپنے نبی کو بری قرار دے دیا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نبی رسول اور امین انسان کامل ہیں نبوت اور امانت میں باہم لزوم ہے اور نبوت وخیانت تو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لہٰذا جس طرح آپ کی نافرمانی کا معصیت ہونا ہمیں معلوم ہوگیا اسی طرح آپ کو امین نہ ماننا بھی گناہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت نازل فرمادی۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۶۱ (۱)

اور کسی نبی کی نسبت یہ گمان ہی ممکن نہیں کہ وہ کچھ چھپائے گا اور جو کوئی (کسی کا

۱۔ آل عمران: ۱۶۱

حق) چھپاتا ہے تو قیامت کے دن اسے وہ لانا پڑے گا جو اس نے چھپایا تھا پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا دفاع فرمایا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان جتلایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (۱)

بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں ان ہی میں سے (عظمت والا) رسول بھیجا جو ان پر آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کی بعثت کو اپنے صاحبان ایمان بندوں پر ایک عظیم احسان قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود امت کے لیے عظیم نعمت اور امت کے لیے سراپا احسان ہے اور کفار بھی آپ کی برکات سے محروم نہیں ہیں، کیوں کہ خسف ومسخ جیسے عام عذابوں سے امت دعوت بھی محفوظ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہ دولت ہی امت کو ایمان، قلوب کا تزکیہ، تعلیم کتاب الٰہی اور تعلیم حکمت کی نعمتیں نصیب ہوئیں۔

اور خدا کی قسم یہ سب سے افضل اور عظیم نعمتیں ہیں۔ یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے تورات میں عہد لیا تھا کہ ہم کسی پیغمبر پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں، جب تک کہ وہ اللہ رب العزت کے لیے کوئی قربانی پیش نہ کرے، اگر وہ پیغمبر سچا ہوگا تو آسمان سے آگ آکر اسے کھا جائے گی، لہٰذا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں تو اللہ کے حضور قربانی پیش کیجیے آپ کے نبی ہونے کے دعوے کی سچائی سامنے آجائے گی، ان یہود کا رد کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا

۱۔ آل عمران: ۱۶۴

بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝ (۱)

جولوگ (یعنی یہود) یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں یہ حکم بھیجا تھا کہ ہم کسی پیغمبر پر ایمان نہ ہلائیں جب تک وہ (اپنی رسالت کے ثبوت میں) ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ آ کر کھا جائے، آپ ان سے فرمادیں بے شک مجھ سے پہلے بہت سے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے اور اس نشانی کے ساتھ بھی آئے جو تم کہہ رہے ہو تو (اس کے باوجود) تم نے انہیں شہید کیوں کیا اگر تم اتنے ہی سچے ہو؟ پھر بھی اگر آپ کو جھٹلائیں تو (محبوب آپ رنجیدہ نہ ہوں) آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا جو واضح نشانیاں (یعنی معجزات) اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔

اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا ہے اور یہودیوں کے جھٹلانے سے جو آپ کو رنج ہوا تھا اس پر آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ ملول و رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔

سورت النساء

جن یہودیوں نے اپنی کتب میں درج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف اور بشارتوں کو تبدیل کر دیا تھا اور پھر جب وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوتے تو الفاظ میں تحریف و تبدیلی کر دیتے جن سے ان کا مقصد نبی علیہ السلام کو برا بھلا کہنا اور نامناسب طرز تخاطب استعمال کرنا ہوتا تھا، ان کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي

۱۔ آل عمران: ۱۸۳، ۱۸۴

الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝(۱)

اور کچھ یہودی (تورات کے) کلمات کو اپنے اصل مقامات سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانا اور (یہ بھی کہتے ہیں) سنیے، (معاذ اللہ) آپ سنوائے نہ جائیں اور اپنی زبانیں مروڑ کر دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے ''راعنا'' کہتے ہیں اور اگر وہ لوگ (اس کی جگہ) یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور (حضور! ہماری گزارش) سنئے اور ہماری طرف نظر کرم فرمایئے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور (یہ قول بھی) درست اور مناسب ہوتا۔ لیکن اللہ نے ان کے کفر کے باعث ان پر لعنت کی سو تھوڑے لوگوں کے سوا وہ ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہودیوں کی ان حرکتوں پر جو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات حمیدہ کو بدل دیتے تھے اور آپ کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے تھے، ان کو ذلیل ورسوا کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ان کے طعن وتشنیع کو دین اسلام پر طعن و تشنیع قرار دیا۔ دین اسلام پر طعن وتشنیع کرنے والا کافر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن وتشنیع کرنے والا بھی کافر ہے، اس پر امت کا اجماع ہے یہ یہود تو دنیاوی اعتبار سے شائستگی اور تہذیب کے درجے سے بھی گر گئے تھے۔

مالکیہ نے اس بات پر مزید یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ ایسے شخص کا قتل واجب ہے خواہ وہ توبہ بھی کر لے، کیوں کہ اس کی توبہ قیامت کے دن اس کے کام آئے گی۔ مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی پر طعن وتشنیع کرنے والے کو قتل کرنا نبی کا حق ہے جو توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قاذف سے حد قذف ساقط نہیں ہوتی۔

اسی بنا پر مصر کے شوافع قاضی کے پاس جب کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں کسی طعن وتشنیع کرنے والے گستاخ رسول کا مقدمہ آتا تو وہ اسے مالکیہ کے قاضی

۱۔ النساء: ۴۶

کے پاس بھجوا دیتے تھے، یہ بات امام ابن حجر نے ذکر کی ہے۔

پھر آگے چل کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہود کی برائیوں کو بیان فرماتے ہوئے قرآن مجید کی یہ آیات نازل فرمائیں:

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ﴿۵۴﴾ (۱)

کیا یہ (یہود) لوگوں (سے ان نعمتوں) پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں سو واقعی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کو کتاب اور حکمت عطا کی ہے اور ہم نے انہیں بڑی سلطنت بخشی ہے۔

اس آیت میں الناس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں، یعنی عام سے خاص مراد ہے اور آپ کے لیے یہ لفظ استعمال فرما کر اس میں یہ اشارہ فرما دیا کہ آپ میں تمام انسانی کمالات جمع ہیں یعنی آپ فرد ہوتے ہوئے بھی امت ہیں۔

كأنه وهو فرد فی جلالته
فی عسكر حين تلقاه وفی حشم

آپ فرد ہیں مگر اپنی جلالت شان میں پورے لشکر (جماعت) کے برابر ہیں۔

اور یہ بھی بتایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انبیا ورسل کے خاندان سے ہیں جن میں نبوت ورسالت کے ساتھ ساتھ سلطنت وبادشاہت بھی چلی آ رہی ہے۔ اس لیے حسد کرنا انتہائی نامناسب حرکت ہے، کیوں کہ اگر یہود بنی اسرائیلی ہیں تو رسول ہاشمی بھی نبی اسماعیل میں سے ہیں اور یہ دونوں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسلیں ہیں۔ پھر مذکورہ آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہے۔ یہ دونوں بہت بڑے بادشاہ تھے۔ یہودیوں کی کتب میں موجود ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ جب اوریا قتل ہوا تو آپ نے اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اور یہ تعداد سو ہوگئی۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں اور باندیاں تھیں۔ تم محمد الرسول اللہ

۱۔ النساء: ۵۴

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو بیویوں کی سلطنت کہہ کر اپنے خبث باطن کا اظہار کر رہے ہو حال آں کہ یہ انبیا جن کا تذکرہ کیا گیا صاحب سلطنت بھی تھے، اور بہ کثرت ازواج بھی رکھتے تھے، پھر یہ یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرتے ہوئے یہ کیوں کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہوتے تو عورتوں سے الگ تھلگ رہتے، اور یہ آپ کی صرف نو ازواج کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ایک سے زائد نکاح تمتع کے حصول کے لیے نہیں کیے بل کہ ہر نکاح کے پیچھے بہت سے مصالح، فوائد اور حکمتیں تھیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح، فی الحقیقت ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احسانات کا بدلہ چکانے کے لیے کیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابتدا ہی سے آپ کا ساتھ دیا اور آپ کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی اور غار میں آپ کے ہم راہ رہے، اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ان کے والد گرامی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی دل جوئی اور وابستگی کی خاطر کیا۔ اس نکاح کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کے نکاح کی بات کو مسترد کر دیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ حفصہ کا نکاح اس شخص سے ہوگا، جو عثمان سے بہتر ہوگا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اس لیے کہ لے پالک کی بیوی سے نکاح نہ کرنے کی رسم قبیح کو مٹانے کے لیے قرآن مجید نے اس کا حکم دیا تھا، چناں چہ قرآن مجید میں رب ذوالجلال کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ (۱)

پھر جب (آپ کے متبنیٰ) زید نے اسے طلاق دینے کی غرض پوری کر لی تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا، تاکہ مؤمنوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح) کے بارے میں کوئی حرج نہ رہے جب کہ (طلاق دے کر) وہ

۱۔ الاحزاب: ۳۷

ان سے بے غرض ہو گئے ہوں اور اللہ کا حکم تو پورا کیا جانے والا ہی تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت حزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اس لیے کیا تھا کہ ان کے شوہر غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں رہا تھا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اس لیے کیا تھا کہ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، لیکن ان کا شوہر وہاں جا کر عیسائی ہو گیا تھا۔ اب اگر وہ مکے واپس آتیں تو اہل خانہ ان کو ستاتے تنگ کرتے اور دین اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرتے اور پھر اس بات کو بھی اپنے ذہن میں رکھیں کہ وہ ابوسفیان کی صاحب زادی تھیں، جو مشرکین مکہ کے سرگردہ رہ نما تھے، اس لیے ان سے نکاح کرنے کی مصلحت اور حکمت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا: کیوں کہ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں اور تکلیف برداشت کی تھی، جب کہ وہ اپنے علاقے کی نہایت معزز و محترم خاتون تھیں اور ان کے والد اور چچا اپنی قوم کے سردار تھے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ ان کے والد حیی بن اخطب بنو قریظہ کے سردار تھے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اس لیے فرمایا: کیوں کہ حبشہ سے واپسی کے موقع پر ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کا کوئی کفالت کرنے والا نہ تھا اگر وہ اپنے گھر والوں اور خاندان کی طرف واپس لوٹتیں تو دین کے اعتبار سے ان کو کافی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اس لیے کیا کہ وہ غزوہ بنو مصطلق میں قیدی بن کر آئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو بھی اپنے اپنے قیدی آزاد کرنے کا حکم دیا انہوں نے آزاد کیا تو مسلمانوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے، اس طرح ان سے شادی کرنا ان کے اور ان کی قوم کے لیے برکت و رحمت کا سبب بنا۔ ہم سب کو یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواج بڑی عمروں کی اور شوہر دیدہ تھیں۔ صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کم عمر اور کنواری تھیں۔ فتح مکہ کے بعد اور بعض دیگر مواقع پر آپ کے لیے یہ قطعاً ممکن تھا کہ آپ عرب کی خوب صورت لڑکیوں سے شادی کر لیتے اور لونڈیاں بناتے۔ لیکن آپ نے ہرگز ایسا نہیں کیا

بل کہ اپنی پہلی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عہد وفا نبھاتے رہے اور ان کی تعریف وتوصیف کرتے رہتے، ان کی سہیلیوں رشتہ داروں اور ان کے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہے ان کو تحائف بھجواتے رہے۔

حتیٰ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان پر غیرت آنے لگی اور ایک مرتبہ انہوں نے یہ تک کہہ دیا کہ آپ اس بوڑھی خاتون کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، جب کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ان سے نہایت بہتر بیوی دی ہے، آپ یہ سن کر ناراض ہوئے اور جواب دیا نہیں ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ نے مجھے ان سے بہتر نہیں دی ہے۔

لہٰذا یہ مسئلہ خواہشات کی تکمیل کا نہیں تھا بل کہ یہ آپ کی انسانیت کے لیے عظمت کا مظہر تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرت ازدواج میں یہ ایک مزید حکمت تھی کہ عورتوں سے متعلق ہر مسئلے کو وہ نقل کریں۔ اس لیے اس بات میں بھی اسلام اور نبی اسلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض وکینہ اور حسد رکھنے والوں کے لیے خوشی کا کوئی سامان نہیں اور اگر وہ حاسدین اور دشمنان نبی یہ سمجھتے بھی، کہ انہوں نے کوئی ایسی وزنی دلیل دی ہے یا مستحکم بات کی ہے کہ جس کا توڑ یا رد مسلمان نہیں کر سکتے تو یہ ان کی خام خیالی ہے ان کی یہ دلیل اور بات نہایت بھونڈی ہے اور ادنیٰ سے تامل سے ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾ (۱)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہل حق) صاحبان امر کی پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔

۱۔ النساء: ۵۹

اس آیت اور عزوجل کے بعد اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ''اطاعت'' کے لفظ کو مکرر بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت مستقل بالذات ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اوامر و نواہی فرمائیں ان تمام کی اطاعت و اتباع ضروری ہے۔ جب کہ اولی الامر کے ساتھ اس کا اعادہ نہیں کیا گیا ہے جس میں اس بات کو بتایا گیا ہے کہ ان کی اطاعت مستقل بالذات نہیں ہے، بل کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مستند ذریعہ و وسیلہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اس لیے ان کی اطاعت ناگزیر ہے اور یہ اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت و فرماں برداری کی واحد عملی صورت ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت ہی سے ہم تک اللہ کے قوانین و احکام پہنچے ہیں۔ اس لیے اللہ کی اطات کے لیے ان کی اطاعت ضروری ہے، بل کہ آپ کی سند کے بغیر کوئی اطاعت معتبر ہی نہیں ہے۔ لا الہ الا اللہ کہنا اسی وقت سکہ بند سمجھا جائے گا جب اس پر محمد رسول اللہ کا ٹیکسال ہو جائے۔

اگر یہ پوچھا جائے کہ سورت آل عمران کی آیت نمبر ۳۲ میں **قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ** ۚ **واطیعو الرسول** کیوں نہ کہا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشرکین اہل کتاب کو مخاطب کیا ہے۔ جو یہ کہتے تھے کہ ہم حضرت مسیح علیہ السلام یا حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت اللہ کی محبت اس کی نظر رحمت اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ تو اس پر اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ **قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ** ۚ آپ فرمادیں اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ اس نبی و رسول کی اطاعت کرو جو توحید کا حکم دیتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ عقیدہ توحید کو قرآن مجید میں پوری صراحت اور زوردار انداز میں بیان کیا گیا ہے اور دلائل قویہ کے ساتھ ثابت کر دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق اور حوالے سے جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ وہی ہوتا ہے جسے قرآن مجید فرقان حمید نے ثابت کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور جس کے دلائل و براھین اس نے کھول کھول کر بیان کر دیئے ہوتے ہیں اسی بنیاد پر اس کے بعد فرمایا:

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ (۱)

پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا

اس زیر موضوع آیت میں مؤمنین سے خطاب ہے اور اس میں ان کے معاشرے کے حساب سے احکامات وعبادات، معاملات ومعاشرت مراد ہیں جو توحید سے علیحدہ ہیں اور ان چیزوں میں احادیث نبوی نے ان چیزوں کو بھی بیان کر دیا ہے جو قرآن مجید میں نہیں ہیں اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی اتباع واطاعت کو بھی واجب قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ (۲)

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور (اے حبیب) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے لیے اللہ سے استغفار کرنا ان کی توبہ قبول ہونے اور ان پر اللہ کی رحمت کے نازل ہونے کا سبب ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت حاصل ہوتا ہے۔ اور آپ کی شفاعت رد نہیں کی جاتی۔

لیکن یہ کیسے ہوگا؟ یہ ایسے ہوگا کہ وہ لوگ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری دے کر معافی تلافی کر لیں، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو جائیں اور آپ کا تکدر ختم ہو جائے، جس کی پہچان یہ ہوگی کہ آپ بھی ان کی معافی کی سفارش فرمائیں گے اور آپ کے استغفار کی برکت سے ان قصوروار وں کو خلوص توبہ کی توفیق نصیب ہوگی، امام بیضاوی رحمۃ اللہ

۱۔ آل عمران: ۳۲

۲۔ النسا: ۶۴

علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خطاب کے صیغہ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ کے بہ جائے غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا، اس لیے تقاضائے قیاس یہ تھا اور جاءوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت شان اور علو مکان پوشیدہ ہے اور اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ رسول کا یہ حق ہے کہ وہ توبہ کرنے والے کا عذر قبول کرلے خواہ اس کا جرم کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ اور اس کی شفاعت کرے، اسی لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے:

وشفاعتی لأهل الكبائر من امتی

میری شفاعت میری امت سے بڑے گناہ گاروں کے لیے ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ (۱)

پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرمادیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرماں برداری کے ساتھ قبول کرلیں۔

اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلطی نہیں فرماتے ورنہ آپ کے حکم کو مطلقاً تسلیم کرنے اور ماننے کی بات نہیں کی جاسکتی تھی، اس آیت کریمہ میں ان حضرات کا بھی رد موجود ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجتہادی غلطی کے صادر ہونے کے قائل ہیں۔

جمع الجوامع میں علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شاذ قول کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجتہادی غلطی نہیں ہوسکتی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر علامہ ابوالعباس احمد بن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''التنویر'' سے اس آیت کے ضمن میں کی گئی بحث کو بھی پیش کردیا جائے کہ وہ فرماتے ہیں اللہ

۱۔ النساء: ۶۵

تعالیٰ نے اس شخص کی صرف ایمان ہی کی نفی نہیں کی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم نہ مانے بل کہ اپنے رب ہونے کی قسم کھائی اور وہ بھی محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب ہونے کی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کے رب کی خاص عنایات اور فضل وکرم کا اظہار ہوتا ہے چناں چہ **فلا والرب** نہیں فرمایا بل کہ **فلا وربک** فرمایا۔ اس سے قسم میں تاکید پیدا ہوتی ہے نیز اس میں اللہ رب العزت نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو اپنا فیصلہ قرار دیا۔ اس لیے اللہ کے بندوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے آگے جھکنے کو لازمی قرار دے دیا گیا۔ اور رب تعالیٰ نے صرف اپنی الوہیت پر بندوں کے ایمان لانے کو قبول نہیں فرمایا، جب کہ وہ اس حبیب مکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے سامنے اپنا سر تسلیم خم نہ کرلیں اس بات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علوشان اور عظمت وفضیلت کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی اضافت اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف فرمائی ہے، جیسے:

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ (۱)

کھیعص یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے (جو اس نے) اپنے بندے زکریا پر فرمائی تھی۔

میں ہے کہ اپنی اضافت حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف کرنے کے بہ جائے ان کی اضافت آپ کی طرف کی، تاکہ دونوں پیغمبران کے مراتب میں جو فرق ہے وہ سب کو معلوم ہوجائے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فقط ظاہری تحکیم ہی قبول کرلینے کو کافی وشافی نہیں سمجھا بل کہ یہ بھی کہا دل میں بھی اس سے کوئی تنگی وتکلیف محسوس نہ کی جائے۔ خواہ یہ فیصلہ ان کی خواہشات کے موافق ہوا ہو یا مخالف۔ علامہ ابوالعباس سکندری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ تین قسم کی حالتیں ہوتی ہیں:

۱۔ تحکیم سے پہلے۔

۲۔ تحکیم کے وقت۔

۱۔ مریم: ۱۔۲

۳۔ تحکیم کے بعد،

تحکیم سے پہلے بندوں کی بندگی یہ ہے کہ وہ آپ کو حکم بنائیں اور تحکیم کے وقت اور اس کے بعد ان کی بندگی یہ ہے کہ وہ اپنے احوال و معاملات میں آپ کے فیصلہ سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ حرج نہ ہونا ظاہری تحکیم کے اندر ہی لازمی ہے تو یہ کہا جائے گا کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ ظاہری طور پر تو آپ کو حکم بنالیا جائے لیکن کراہت موجود ہے اس لیے تحکیم کے ساتھ ساتھ میں حرج اور تنگی محسوس نہ کرنے کو شامل کرنا نہایت ضروری ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ حرج کی نفی کے بعد ویسلموا تسلیما فرمانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس لیے کہ جب حرج و تنگی نہ ہوگی تو تسلیم کرنا ہی پایا جائے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حصے کا تعلق تمام امور و معاملات سے ہے۔ جب کہ حرج محسوس نہ کرنے کی بات متنازع امور کے ضمن میں آئی تھی اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو حی یحکموک سے خود مستفاد ہو رہا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تحکیم مطلق نہ تھی۔ بل کہ وہ متنازع امور فیما شجر بینھم کے ساتھ مقید تھی، اس لیے اس کی علیحدہ سے ضرورت پیش آئی۔

اس طرح یہ آیت تین باتوں پر مشتمل ہے:

۱۔ مختلف خیر امور میں آپ کو حکم بنانا

۲۔ تحکیم میں کوئی حرج و تنگی محسوس نہ کرنا

۳۔ متنازع خیر امور اور دیگر امور میں مطلق سپردگی کرنا

اس طرح یہ حصہ عام بعد الخاص ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی عمومیت کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ (۱)

۱۔ النساء: ۷۹۔۸۰

(اے محبوب) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور (آپ کی رسالت پر) اللہ کی گواہی ہی کافی ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ ہی کا حکم مانا۔ اور جس نے روگردانی کی ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

یہ آیت اور اس جیسی دیگر آیات سے، جو آگے چل کر بیان ہو رہی ہیں، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع پر ابھارا ہے۔ اور اطاعت کی ترغیب دلائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور کئی مقامات پر اپنی اطاعت کے ساتھ آپ کی اطاعت کا حکم ہے، جب کہ دوسرے انبیا ورسل کے ساتھ یہ بات نہیں ہے۔ اس سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام بعثت بھی ثابت ہوئی، چناں چہ حضرت نوح ھود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اپنی قوموں سے کہا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۵۰ (۱)

اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت اختیار کرلو۔

اس کا راز یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کے دفاع کی ذمے داری خود پر لے لی۔ جس کو سورت البقرہ میں بیان کیا جا چکا ہے، تو اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ذمے داری بھی خود پر لے لی کہ وہی اپنے بندوں کو آپ کی اطاعت واتباع پر ابھارے، آمادہ کرے اور آپ کی اطاعت کا حکم دے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیا ورسول کے دفاع کی ذمے داری خود ان کے سپرد کر دی تھی، اس لیے یہ امر بھی ان ہی کے لیے چھوڑ دیا گیا کہ وہ خود ہی اپنی اطاعت واتباع کا حکم دیں اور ان باتوں میں جو بہت بڑا فرق ہے وہ یقیناً ظاہر ہے۔

پھر اس آیت سے پہلی والی آیت:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۘ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ

۱۔ آل عمران: ۵۰

نَّفْسِكَ ط (۱)

جب تجھے کوئی بھلائی پہنچے تو سمجھو کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جب تجھے کوئی برائی پہنچے تو سمجھو کہ وہ تیری طرف سے ہے (یعنی اسے اپنی خرابی نفس کی طرف منسوب کر)۔

اس میں خطاب انسان سے ہے بہ حیثیت انسان کے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، اور اس سے مراد آپ کی امت ہے، یا یوں کہیں کہ آپ کو مخاطب کر کے خطاب امت سے کیا جا رہا ہے، بالکل اسی طرح جیسا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ (۲)

اے نبی! (مسلمانوں سے فرمادیں) جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کے طہر کے زمانہ میں انہیں طلاق دو اور عدت کو شمار کرو۔

اس میں خطاب آپ ﷺ سے ہے مگر مراد آپ کی امت ہے۔

اور سابقہ آیت جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں حَسَنَةٍ سے مراد نعمت ہے، اور سيئة سے مراد ناراضی ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ کی نعمت اس کے فضل کی وجہ سے ملتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی انسان کو اس کے گناہوں اور جرم کے بدلہ کے طور پر ملتی ہے، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فی الحقیقت یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم اور عدل کا بیان ہو رہا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت ورحمت تو بغیر واسطۂ اعمال کے محض فضل وکرم خداوندی کا کرشمہ ہے، لیکن انسان پر جو آفتیں اور مصائب آتے ہیں وہ انسانی بداعمالیوں کے نتیجے میں بہ تقاضائے عدل خداوندی ہوتے ہیں۔

حدیث میں وارد ہے،

ان الرجل لیحرم الرزق بالذنب

۱۔ النساء: ۷۹

۲۔ الطلاق: ۱

انسان کو اس کے گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ (۱)

پس (اے محبوب!) آپ اللہ کی راہ میں جہاد کیجیے آپ کو اپنی جان کے سوا (کسی اور کے لیے) ذمے دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

آپ منافقین کے پیچھے رہ جانے اور جہاد میں شرکت سے لیت ولعل کرنے کی پرواہ نہ کریں، تن تنہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگ کا حکم ملنا آپ کی عزیمت وحوصلہ اور طاقت وبہادری پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

جہاد کی مہم پر روانہ ہونے کے لیے کوئی جائے یا نہ جائے آپ ضرور تیار ہو جائیں، جب آپ نکل کھڑے ہوں گے تو پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ کے جاں نثار اصحاب آپ کو تن تنہا جانے دیں، پھر یقیناً انہیں بھی اٹھنا ہوگا اس آیت اور ایک دوسری حدیث سے جس سے آپ کی خصوصیت کا پتہ چلتا ہے مفہوم یہ ہے کہ جب اگر جہاد کا ارادہ کر لیتے ہیں اور زرہ پہن لیتے ہیں تو پھر رکتے نہیں ہیں تاوقتے کہ اللہ عزوجل آپ کے اور دشمن کے درمیان کوئی فیصلہ صادر فرمادے۔ جب آپ قتال کریں گے خواہ آپ تنہا ہی کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے نصرت ومدد کا وعدہ ہے۔

ایک منافق انصاری نے جس کا نام طعمہ بن ابیرق تھا۔ اپنے پڑوسی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر سے زرہ اور آٹا چرالیا۔ آٹے سے تو اس نے روٹی پکالی اور زرہ زید بن سمین نامی یہودی کے گھر چھپادی، جب زرہ اس کے پاس سے مل گئی تو اس نے بتادیا کہ یہ زرہ طعمہ نے چھپائی تھی مگر طعمہ پھر گیا اور اس نے انکار کر دیا اور قسم کھائی کہ اس نے نہ تو چوری کی ہے اور نہ ہی زرہ امانتاً رکھنے کے لیے زید بن کو دی ہے طعمہ کے گھر والے بھی اس کی تائید میں آ گئے اور قسمیں کھانے لگے صورت حال کچھ اس قسم کی بنی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس یہودی پر سزا جاری کرنے کا ارادہ فرمالیا، کیوں کہ زرہ اس کے پاس سے برآمد ہوئی تھی، جب طعمہ اور اس کے اہل خانہ نے اس یہودی کے خلاف گواہی دی تو اللہ تعالیٰ نے

۱۔ النساء: ۸۴

ان آیات کو نازل فرمایا۔ آیات نازل ہونے کے ساتھ طعمہ کی چوری ثابت ہوگئی اور مال مسروقہ بھی برآمد ہوگیا اور ساری صورت حال واضح ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ (۱)

(اے رسول گرامی) بے شک ہم نے آپ کی خاطر حق پر مبنی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں میں اس حق کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے اور آپ کبھی بددیانت لوگوں کی طرف داری میں بحث کرنے والے نہ بنیں۔

خائنین سے مراد طعمہ اور اس کے گھر والے ہیں، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس یہودی کے خلاف فیصلہ کر دیتے تو اس میں کوئی حرج والی بات نہ تھی اس لیے قرینے اور دلائل سے یہی ظاہر ہو رہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا کہ اس کے نبی کا ظاہری اور باطنی کسی بھی اعتبار سے کوئی بات خلاف واقعہ ہو اور اس آیت کے ذریعے حقیقت امر کو واضح کر دیا گیا۔ اس سے ان لوگوں کی بھی غلطی واضح ہو رہی ہے، جو آپ ﷺ سے اجتہادی غلطی ہونے کے قائل ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک) اور پھر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی غلطی کے بعد آپ ﷺ کو متنبہ کر بھی دیتا ہے، لیکن صورت حال میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غلط فیصلے کے صدور سے پہلے ہی آپ کو متنبہ کر دیا اور ساری حقیقت آشکارا کر دی اس سے ایسی سوچ والے افراد کا دعویٰ کا باطل ہوگیا، پھر آگے اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ نے جو ارادہ فرمایا تھا اس پر استغفار کر لیں، بے شک اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے، چناں چہ ارشاد ہے:

وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ (۲)

اور آپ اللہ سے بخشش طلب کریں بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

۱۔ النساء: ۱۰۵

۲۔ النساء: ۱۰۶

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقط ارادے پر استغفار کا حکم دیا ہے، جب کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا ہے، تو وہ آپ کو غلطی کا ارتکاب کیسے کرنے دے سکتا ہے۔ پھر اگر یہ کہا جائے فقط ارادہ پر استغفار کا حکم دینے میں کیا حکمت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ اس سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلطی اور لغزش سے محفوظ ہونا بیان کیا گیا ہے، حتیٰ کہ فقط اس ارادے میں بھی، جس پر گرفت نہیں ہوتی۔

اسی لیے علمائے اسلام نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی بات کا ارادہ فرمانے کو بھی آپ کی سنت قرار دیا ہے۔ اور مثال دے کر بتایا ہے کہ یوم عاشورہ کے ساتھ نو محرم الحرام کا روزہ بھی مسنون ہے، اس لیے کہ آپ نے اس کا ارادہ فرمایا، لیکن اس کے آنے سے پہلے ہی آپ کا وصال ہو گیا تھا، اس لیے علمائے اسلام نے سنت کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ وہ آپ کے اقوال، افعال، تقریر اور آپ کے ارادے کا نام ہے۔

پھر اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ (۱)

اور (اے حبیب) اگر آپ پر اللہ کا فضل اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان (دغابازوں) میں سے ایک گروہ یہ ارادہ کر چکا تھا کہ آپ کو بہکا دیں جب کہ وہ محض اپنے آپ کو ہی گم راہ کر رہے ہیں اور آپ کا تو کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتے اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی بے مثال عظمت وفضیلت کا بیان ہے اور کھلے طور پر اس بات کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ

۱۔ النساء: ۱۱۳

کے علم کے برابر نہیں اللہ تعالیٰ کا علم بالذات اور محیط ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم علم عطائی ہے، جس قدر اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا وہی ساری کائنات کے علم سے زیادہ ہے، مگر اللہ عزوجل کے علم سے کم۔

تنبیہات

۱۔ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ (۱) سے علمائے اسلام نے آپ کے لیے اجتہاد کے جواب پر استدلال کیا ہے علمائے امت میں سے کسی کا یہ مقام نہیں کہ وہ سمجھے ہوئے کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف منسوب کرے چناں چہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جب کسی نے یہ عرض کیا کہ فاحکم بینھم بما اراک اللہ تو آپ نے ان کو ڈانٹ دیا اور کہا کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے میں نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہے جو اللہ نے مجھے دکھایا ہے یہ خصوصیت تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی جو اس نے صرف اور صرف اپنے رسول کے لیے رکھی تھی، ہاں یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرسکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے تو بالکل صحیح اور درست ہوتی تھی، کیوں کہ وہ رائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے پیغمبر کو دکھاتا اور سمجھاتا تھا جب کہ ہم میں سے کسی کی بھی رائے ظنی ہوگی اس حدیث سے اس بات کی بھی وضاحت ہوگئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجتہادی خطا نہیں ہوسکتی۔

۲۔ واستغفر اللہ میں کوئی ایسی بات ہرگز نہیں ہے آپ سے خطا سرزد ہوئی ہے اس لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے ارادے پر کوئی مواخذہ نہیں نصوص اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے، اور استغفار گناہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بل کہ اس میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ ان کے علاوہ جو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں چند مزید پیش خدمت ہیں۔

الف: رزق کی کشادگی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ

۱۔ النساء: ۱۰۵

مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾ (۱)

تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو بے شک وہ بڑا ب بخشنے والا ہے وہ تم پر بڑی زوردار بارش بھیجے گا۔

ب: غموں کا دور ہونا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو شخص کثرت سے استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر غم سے کشادگی اور ہر تنگی سے نکلنے کے اسباب فراہم کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔

علامہ زمخشری سورت النصر کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تسبیح کے ساتھ استغفار کے حکم میں اس چیز کی تکمیل ہے جو دین کی اصل ہے یعنی اطاعت واتباع کرنے اور نافرمانی سے بچنے کی جامعیت اور یہ اس لیے بھی ہے کہ آپ کے معصوم عن الخطاء ہونے کے باوجود آپ کو اس کا حکم دینا۔ آپ کی امت کے ساتھ عفو وکرم کی بات ہوگی مزید برآں یہ بھی ہے کہ استغفار فی نفسیہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے بہ طور واضع اور عاجزی اختیار کرنا نفس کشی ہے، جو کہ مستقل عبادت ہے۔

ج: میں نے قرآن مجید کے اسلوب کے تتبع سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی متعین شخص کی طرف اپنے سکھانے کی نسبت کرے تو یہ اس کی نبوت کی دلیل ہوتی ہے جیسے ان آیات کو ملاحظہ فرمائیے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ (۲)

اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔

۱۔ نوح: ۱۰۔۱۱

۲۔ النساء: ۱۱۳

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (۱)

اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیے۔

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ (۲)

اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے ان کو (یعنی داؤد علیہ السلام کو) حکومت اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں جو چاہا سکھایا۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۞ (۳)

اور اللہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل (سب کچھ) سکھائے گا۔

وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ (۴)

اور جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ (۵)

اور اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین (مصر) میں استحکام بخشا اور یہ اس لیے کہ ہم اسے باتوں کے انجام تک پہنچنا (یعنی علم تعبیر رویا) سکھائیں۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ (۶)

اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو تمہارے لیے زرہ بنانے کا فن سکھایا تاکہ وہ تمہاری لڑائی میں تمہیں ضرر سے بچائے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا

۱۔ البقرہ:۳۱

۲۔ البقرہ:۲۵۱

۳۔ آل عمران:۴۸

۴۔ المائدہ:۱۱۰

۵۔ یوسف:۲۱

۶۔ الانبیاء:۸۰

عِلْمًا ﴿۶۵﴾ (۱)

تو دونوں نے وہاں ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندے (خضر علیہ السلام) کو پالیا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے خصوصی رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی (یعنی اسرار و معارف کا الہامی علم) سکھایا تھا۔

یہ حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کی دلیل ہے، ان کی نبوت پر مزید دلائل میں نے اپنی کتاب ''خواطر دینیۃ'' میں درج کیے ہیں۔ مشرکین مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا ہم نے یہودیوں سے آپ کے بارے میں اور ان کی الہامی کتابوں میں آپ کی صفات اور نشانیوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ آپ کو نہیں پہچانتے تو ان کے رد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ (۲)

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں نازل ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے ان یہود کو دھمکی دی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے منکر ہیں۔

ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ (۳)

بے شک جنہوں نے (اللہ کی گواہی کو نہ مان کر) کفر کیا اور (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کو نہ مان کر) ظلم کیا اللہ ہرگز ایسا نہیں کہ انہیں بخش دے اور نہ

۱۔ الکہف: ۶۵

۲۔ النساء: ۱۶۶

۳۔ النساء: ۱۶۸۔۱۶۹

(ایسا ہے کہ آخرت میں) انہیں کوئی راستہ دکھائے سوائے جہنم کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ کام اللہ پر آسان ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جہنم کے قیام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازم کر دیا ہے۔ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو بیان فرما رہے ہیں۔

سورت المائدہ

حجۃ الوداع کے موقع پر بہ روز جمعہ عرفات میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ (۱)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے پسند کر لیا)

آپ عضباء نامی اپنی اونٹنی پر سوار تھے اونٹنی وحی کا بوجھ برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے بیٹھنے پر مجبور ہوگئی۔اس وقت کم وبیش ڈیڑھ لاکھ صحابہ موجود تھے اس کے بعد آپ اکیاسی دن بقیہ حیات رہے بارہ ربیع الاول ۱۱ ہجری میں آپ کا وصال ہوگیا اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے دین متین کی تکمیل کا اعلان فرمایا۔اور مؤمنین کے لیے اسلام کو بہ طور دین پسند فرمانے کی صراحت کی گئی ہے۔

اسی وجہ سے ایک یہودی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کہا تھا:

اے امیر المؤمنین! تم مسلمانوں پر ایک ایسی آیت بھی نازل ہوئی ہے اگر ایسی گراں قدر آیت ہمارے ہاں نازل ہوتی تو ہم اس دن کو بہ طور عید کے دن کے مناتے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے تو اس یہودی نے اسی آیت کا ذکر کیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں یہ جمعہ کے دن

۱۔المائدہ:۳

عرفہ میں نازل ہوئی اور یہ دن مسلمانوں کے لیے عید کے دن جیسا ہے۔

اسی طرح کی ایک اور آیت ہے

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ۗ (۱)

بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

اس آیت نے مذہب اسلام کے سوا ہر مذہب کے باطل ہونے کا اعلان کر دیا۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کے سوا جو شخص کسی اور دین کی پیروی کرے گا تو وہ گھاٹے میں رہے گا۔

اسی طرح ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (۲)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی عمومیت کا بھی ذکر کرتی ہے اور ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کرتی ہے کہ آپ کا لایا ہوا دین تمام ادیان کے لیے ناسخ ہے، اس لیے جو لوگ اہل کتاب کے جنت میں داخل ہونے یا روز قیامت ان کے اعمال کے فائدہ مند ہونے کے امکان کو مانتے ہیں وہ اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں، یہ خیال نہ صرف نصب قرآنی کے صراحتاً خلاف ہے، بل کہ یہ دین مبین سے انحراف بھی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۚ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ

۱۔ آل عمران: ۱۹

۲۔ آل عمران: ۱۹

وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ (۱)

اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں جو تمہارے لیے بہت سی ایسی باتیں (واضح طور پر) ظاہر فرماتے ہیں جو تم کتاب میں چھپائے رکھتے تھے اور تمہاری بہت سی باتوں سے درگزر بھی فرماتے ہیں بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آ گہی ہے اور ایک روشن کتاب۔

آپ ان کو اس لیے بیان نہیں کرتے کہ ان کے بیان میں کوئی مصلحت وحکمت نہیں، جیسے بعض تحریف شدہ خبریں اور باتیں علمائے اسلام نے یہود ونصاریٰ کی کتب میں آئی ہوئی باتوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ وہ باتیں جن کی صحت پر قرآن وحدیث دلالت کرے ایسی باتیں مقبول ہوں گی۔

۲۔ وہ باتیں جن کی صحت نہ ہونے کا قرآن وحدیث سے علم ہو جائے ایسی باتیں مردود ہوں گی۔

۳۔ وہ باتیں جن کی قرآن وحدیث سے تائید نہ ہوتی ہو اور نہ ہی تردید ہوتی ہو ان باتوں کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا:

اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو اور نہ ہی تکذیب بل کہ یہ کہو کہ ہم ایمان لائے ان پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا۔

علمائے اسلام یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر وہ باتیں وعظ ونصیحت اور دلوں کو نرم کرنے والی ہوں تو ان کو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے رقائق وزہد کی باتیں سنتے تھے بل کہ کبھی کبھی ان پر زور دیتے کہ اے کعب! ہمیں خوف دلاؤ، ڈر سناؤ اسی طرح ایسی باتوں کو بھی ان سے نقل کیا جاسکتا ہے جن کے ذریعے قرآن حکیم میں آئے ہوئے مبہم ناموں کی تعیین ہو جاتی ہو جیسے ملکہ سبا کا نام بلقیس، اس شخص کا نام جس کے پاس کتاب کا

۱۔ المائدۃ: ۱۵

علم تھا آصف بن برضیا بتایا گیا ہے یہ اور ان جیسی دیگر باتیں جن کا تعلق عقیدے اور احکام سے نہ ہو لی جاسکتی ہیں۔

پھر آیت کے آخری حصے میں ہے کہ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی اور کھلی کتاب آ چکی ہے اس آیت نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اس سے مراد کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ دونوں کو نور کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے دونوں نور ہدایت ہیں اور ''رسولنا'' میں اضافت آپ کی تعظیم کے لیے ہے آپ کو ''بشیرو نذیر'' بھی کہا گیا آپ کے اور بھی بہت سے نام ہیں اور آپ کے اسما کی کثرت مسمیٰ کی عظمت وفضیلت اور شرف وشان پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ آپ کے اسمائے مبارکہ میں سے ہر ہر اسم ایک الگ عظمت وشرف کو بیان کرتا ہے۔

ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ (۱)

اے رسول! وہ لوگ آپ کو رنجیدہ خاطر نہ کریں جو کفر میں تیزی سے پیش قدمی کرتے ہیں ان میں ایک وہ منافق ہیں جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حال آں کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔

اس سے مراد منافقین ہیں۔ اس آیت میں آپ کو تسلی وتشفی دی گئی ہے کہ آپ ان منافقین کی وجہ سے رنج وغم میں مبتلا نہ ہوں جو اپنے دل میں پنہاں کفر کو ظاہر کرنے میں جلدی کرتے ہیں اور جیسے ہی ان کو موقع ملتا ہے تو فوراً ڈس لیتے ہیں۔

اس موقع پر ایک اہم بات تنبیہ کے طور پر کرنا نہایت مناسب معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نام لے کر مخاطب نہیں کیا، بل کہ ایسے القاب کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے، جن میں فضیلت وعظمت کا اظہار ہو جیسے يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ ''اے رسول'' يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ ''اے نبی'' يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ''اے کمل کی جھرمٹ والے'' يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ

۱۔ المائدہ: ۴۱

''اے چادر اوڑھنے والے'' جب کہ دیگر انبیا و رسل کو ان کے ناموں کے ساتھ پکارا جیسے

وَیٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ (۱)

اے آدم تم اور تمہاری بیوی اس جنت میں رہائش رکھو۔

یٰنُوْحُ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ ۚ (۲)

اے نوح بے شک وہ تیرے گھر والوں میں شامل نہیں۔

یٰٓاِبْرٰھِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا ۚ (۳)

اے ابراہیم اس بات سے درگزر کیجیے۔

یٰمُوْسٰٓی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ (۴)

اے موسیٰ سامنے آؤ اور خوف نہ کرو۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ (۵)

اے داؤد بے شک ہم نے آپ کو زمین میں اپنا نائب بنایا۔

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ۭ (۶)

اے یحییٰ ہماری کتاب (تورات) کو مظبوطی سے تھامے رکھو۔

یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ (۷)

اے عیسیٰ بے شک میں تمہیں پوری عمر تک پہنچانے والا ہوں۔

میں نے اپنی کتاب ''الاستغاثۃ'' میں اس جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

اجل اله العرش قدرنبيه

۱۔ اعراف:۱۹

۲۔ الہود:۴۶

۳۔ الہود:۷۶

۴۔ القصص:۳۱

۵۔ ص:۲۶

۶۔ مریم:۱۲

۷۔ آل عمران:۳۵

فعظمه عند النداء بكنية

عرش کے رب نے اپنے نبی کی عظمت وشان میں اضافہ فرمایا ہے کہ جب بھی اس نے ان کو پکارا تو کنیت سے پکارا۔

علامہ زمخشری نے سورت الاحزاب کی ابتدا میں لکھا ہے کہ اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''نبی'' اور ''رسول'' کے الفاظ سے ندا دی ہے۔ جیسے

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللهَ (۱)

اے نبی آپ اللہ کے تقویٰ پر (حسب سابق استقامت سے) قائم رہیں۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ ۚ (۲)

اے نبی آپ خود کو اس چیز (یعنی شہد کے نوش کرنے) سے کیوں منع فرماتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما رکھا ہے۔

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ (۳)

اے رسول جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے نام نامی سے نہیں پکارا جیسے یا آدم یا عیسیٰ یا موسیٰ یا داؤد اس میں آپ کے شرف وعظمت کا اظہار مقصود ہے اگر آپ یہ کہیں کہ ندا کے موقع پر تو نام نہیں لیا لیکن خبر کے موقع پر تو نام لیا ہے جیسے محمد الرسول الله وما محمد الا رسول کہ آپ ہی اللہ کے رسول اور نبی ہیں تو جہاں تعلیم وتلقین مقصود تھی وہاں بھی نام نہیں لیا۔ جیسے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۲۸﴾ (۴)

۱۔ الاحزاب: ۱

۲۔ التحریم: ۱

۳۔ المائدہ: ۶۷

۴۔ التوبہ: ۱۲۸

بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے، جو تمہاری بھلائی کا خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ (۱)

اور رسول کہے گا کہ اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ (۲)

البتہ تمہارے لیے رسول اللہ میں، اس کے لیے عمدہ نمونہ ہے، جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ (۳)

حال آں کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ ان کو راضی کریں، اگر وہ مومن ہیں۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ

مومنوں پر نبی کا حق ان کی جانوں سے زیادہ ہے۔ اور اس کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (۴)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی

۱۔ الفرقان: ۳۰

۲۔ الاحزاب: ۲۱

۳۔ التوبہ: ۶۲

۴۔ الاحزاب: ۵۶

ان پر درود وسلام بھیجا کرو۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ(۱)

اور اگر وہ اللہ اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور جو آپ پر نازل ہوا اس پر ایمان لاتے تو وہ ان کو دوست نہ بناتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ (۲)

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا وہ پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔ اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

اس آیت کے نزول سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت ونگرانی کی جاتی تھی کہ مبادا آپ کو کوئی دشمن نقصان نہ پہنچا دے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات جاگتے رہے اور پھر فرمایا میرے ساتھیوں میں سے کوئی نیک دل شخص ہوتا جو میری حفاظت ونگرانی کرتا۔ آپ فرماتی ہیں کہ ہم ابھی اسی گفت گو کے درمیان میں تھے کہ ہتھیاروں کے رکھنے اٹھانے کی آوازیں آئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کون ہے؟ تو آنے والے نے کہا کہ میں سعد بن ابی وقاص ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا (اس وقت) انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے دل میں آپ کے بارے میں خیال واندیشہ پیدا ہوا تو میں آپ کی حفاظت ونگرانی کے لیے آ گیا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دعا دی اور آپ سو گئے حتیٰ کہ میں نے

۱۔ المائدہ:۸۱

۲۔ المائدہ:۶۷

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سونے کی آواز سنی اس کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چمڑے کے خیمے میں سے سر باہر نکال کر ارشاد فرمایا:

اے لوگو! تم اب چلے جاؤ اللہ عزوجل نے میری حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

تنبیہات

۱۔ اس آیت میں **یحفظك، یقیك یا لیسلك** کے الفاظ کے بجائے **یَعْصِمُكَ**، لفظ استعمال ہوا ہے، حال آں کہ یہ سب الفاظ قریب المعنی ہیں لیکن عصمت کا لفظ مقام نبوت کو رسالت کے زیادہ مناسب ہے اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علو وشان اور ادب کی رعایت سامنے آتی ہے اور سب پر یہ فرض وواجب ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آپ کے مقام ومرتبہ کے شایان شان الفاظ استعمال کیے جائیں۔

۲۔ مجھے الشیخ حمدی جو اصلاً جاپانی ہیں، نے یہ بتایا واضح رہے کہ یہ ان علما ومشائخ میں سے ہیں جنہوں نے تفسیر اور اصول مجھ سے سبقاً سبقاً پڑھے ہیں انہوں نے ایک جاپانی مستشرق کا یہ قول مجھے پڑھ کر سنایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی نگرانی اور حفاظت کا سلسلہ ختم کرا دینا اس بات کے باوجود کہ یہود اور کفار ومشرکین کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا تھا صرف اس آیت پر یقین واعتماد کی وجہ سے آپ کے حق پر اور سچے ہونے کی بین دلیل ہے اور اس پر یہ کہتا ہوں کہ یہ بالکل صحیح بات ہے اس آیت میں تورات، زبور، انجیل کی طرح قرآن مجید کا نام نہیں لیا بل کہ **ما انزل الیك من ربك** کا طویل جملہ کہا اس میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس طرح مجھے علم وحکمت کا خزانہ قرآن مجید سے عطا کیا گیا ہے اسی طرح مجھے دیگر علوم ومعارف بھی عطا فرمائے گئے ہیں جن کو ایک حیثیت سے قرآن مجید وفرقان حمید کی طرح سمجھنا چاہیے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ (۱)

۱۔ المائدہ: ۹۲

اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور (خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے) بچتے رہو۔ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف احکام کا پہنچا دینا ہی ہے (اور وہ یہ فریضہ ادا فرما چکے ہیں)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی مقامات پر اس بات کی شہادت دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھل کر نہایت واضح انداز میں میرے پیغام کو پہنچا دیا ہے اس لیے روز حشر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے جو آپ کی تبلیغ و دعوت کی شہادت و گواہی دیں، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں سورت البقرہ میں آ چکا ہے:

لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط (۱)

تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول تم پر گواہ ہو۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہادت و گواہی دینے والوں کا محتاج نہ ہونا بھی آپ کے فضائل و کمالات میں سے ہے بل کہ آپ دیگر انبیا کی گواہی دیں گے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا وہ عرض کریں گے کہ میں حاضر ہوں اے میرے پروردگار، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم نے تبلیغ کی تھی وہ کہیں گے ہاں کی تھی پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کیا نوح (علیہ السلام) نے تم کو تبلیغ کی تھی تو ان کی امت کہے گی کہ ہمارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائے گا تمہارے حق میں کون گواہی دے گا وہ کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی امت گواہی دیں گے کہ حضرت نوح نے اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی تھی۔

سورت انعام

جب کفار و مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ کسی ایسے فرد کو لے

۱۔ البقرہ: ۱۴۳

کر آیئے، جو آپ کے نبی اور رسول ہونے کی شہادت دے اہل کتاب تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرتے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۫ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ (۱)

آپ (ان سے دریافت) فرمائیے کہ گواہی دینے میں سب سے بڑھ کر کون ہے! آپ ہی فرما دیجیے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن اس لیے وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے تمہیں اور ہر اس شخص کو جس تک (یہ قرآن) پہنچے ڈر سناؤں، کیا تم واقعی اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہیں؟ آپ فرما دیں میں (تو اس غلط بات کی) گواہی نہیں دیتا فرما دیجیے بس معبود تو وہی ایک ہی ہے اور میں ان سب چیزوں سے بے زار ہوں جنہیں تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو۔

وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی تھی اس (نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ویسے ہی پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی جانوں کو (دائمی) خسارے ڈال دیا ہے۔ سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اہل مکہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی نبوت و رسالت پر جو گواہی اور شہادت طلب کی تھی یہ اس کا جواب ہے کہ اللہ کی شہادت سے بڑھ کر اور کس کی گواہی ہو سکتی ہے کہ اس نے بین معجزات اور آیات بینات کے ذریعے عملی شہادتیں فراہم کر دی ہیں۔ یہ آیات مشرکین و کفار کا ناکام و نامراد ہونا بتا رہی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کے منکر ہیں خواہ وہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہوں۔ چوں کہ وہ

۱۔ الانعام: ۱۹۔۲۰

آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو گویا وہ اسی طرح سے ہے کہ جیسے وہ ان دونوں انبیا کی تکذیب کررہے ہیں۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کی تکذیب پر آپ کو تسلی وتشفی دی اور تالیف قلب کرتے ہوئے فرمایا:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ (۱)

اور آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے جاچکے۔ انہوں نے جھٹلائے جانے اور ایذا دیے جانے پر صبر کیا، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی۔ اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور البتہ رسولوں کی بعض خبریں آپ کو پہنچ چکی ہیں۔ اور اگر ان کی روگردانی آپ پر شاق گزرتی ہے تو اگر آپ سے ہوسکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرکے یا آسمان میں سیڑھی لگا کر ان کو کوئی معجزہ لا دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو ہدایت پر جمع کردیتا، سو آپ ہرگز نادانوں میں سے نہ بنیں۔

کسی بات سے روکنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بات ضرور پیش ہی آئی ہو اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی اس بات سے ناآشکارا نہیں رہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے جو وہ نہیں چاہتے ہیں نہیں ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے ہر صبح وشام یہ کہا ہو کہ جو اللہ

۱۔ الانعام: ۳۴۔۳۵

چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا ہے، اور میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے اور اسی کے علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، تو اسے کوئی مصیبت اور تکلیف نہیں پہنچے گی۔

یہ آیت ایسی ہی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ (۱)

اور تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے (خودساختہ) معبود کو نہ پوجا کرو۔

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ جس طرح آپ اب تک توحید باری تعالیٰ پر قائم ہیں اسی طرح ہمیشہ اس پر ہی قائم ودائم رہیں۔

پچھلی مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو تسلی بھی ہے کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو جھٹلانے والوں کا انجام وہی ہوگا جو پچھلے انبیا اور رسل کے جھٹلانے والوں کا ہوا تھا آپ اطمینان رکھیں جس طرح ان پیغمبروں نے اذیتیں اور تکالیف برداشت کر کے صبر کیا آپ بھی اسی طرح ہمت اور برداشت اور صبر سے کام لیں ان شاء اللہ کامیابی و فلاح سے آپ ہی ہم کنار ہوں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۘ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۲)

بات یہ ہے کہ (دعوت حق) صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (سچے دل سے) سنتے ہیں اور مردوں (یعنی حق کے منکروں) کو اللہ (حالت کفر میں ہی قبروں سے) اٹھائے گا پھر وہ اسی رب کی طرف (جس کا انکار کرتے تھے) لوٹائے جائیں گے اور انہوں نے کہا کہ اس رسول پر اس کے رب کی طرف سے (ہر

۱۔ القصص: ۸۸

۲۔ الانعام: ۳۶۔۳۷

وقت ساتھ رہنے والی) کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ فرما دیجیے بے شک اللہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ایسی کوئی نشانی اتار دے لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس کی حکمتوں کو) نہیں جانتے۔

یہاں سننے سے مراد کانوں سے سننا نہیں ہے بل کہ غور و فکر اور توجہ مراد ہے یعنی جنہوں نے آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہیں باندھ لی اور کانوں میں غفلت کی روئی نہیں دے لی فکر و نظر کو معطل نہیں کر دیا اور دل کے دروازوں پر تعصب کے تالے نہیں لگائے بل کہ ان کے دل زندہ ہیں اور مردہ سے مراد ہیں مردے نہیں بل کہ وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ہٹ دھرمی اور ضد میں آ کر عہد کر لیا اور قسم کھالی کہ خواہ کچھ ہو جائے ہم حق قبول نہیں کریں گے۔ پھر ان میں سے اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ نشانیوں کا نازل ہو جانا ان کے لیے مصیبت و وبال اور ہلاکت کا باعث بن جائے گا اس لیے کہ اگر پھر بھی انہوں نے ایمان قبول نہ کیا تو انہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کے ساتھ کیا اس طرح ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ (۱)

اور ہم کو (اب بھی ان کے مطالبہ پر) نشانیاں بھیجنے سے (کسی چیز نے) منع نہیں کیا سوائے اس کے کہ ان ہی (نشانیوں) کو پہلے لوگوں نے جھٹلا دیا تھا۔

یعنی جب ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، تو اب اگر ہم نے ان کے طلب کرنے پر بھی اپنی نشانیاں نازل کر دیں اور پھر انہوں نے ہمارے پیغمبر اور ان نشانیوں کو جھٹلایا تو ہلاکت و بربادی ان کا بھی مقدر بنے گی، لیکن ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم ان کو مہلت دیں، تاکہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ان کی شریعت اور ان کی صاحب فضیلت امت باقی رہے حال آں کہ قرآن مجید خود ایک بہت بڑا معجزہ اور آپ کے پیغمبر آخر الزماں ہونے کی سب سے بڑی نشانی ہے۔

انسان و جنات اس کی نظیر یا اس کے کچھ حصے کی نظیر لانے سے عاجز و قاصر ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں سمجھنا چاہئے کہ آپ کو معجزے نہیں دیے گئے ان معجزات کا عطا ہونا اس سے

۱۔ بنی اسرائیل:۵۹

مانع نہیں ہے۔ چناں چہ مقتضائے احوال کے مطابق، اسرا و معراج، آپ کی شان مبارک سے پانی کا اجرا، کھجور کے تنے کا رونا، اور چاند کے دوٹکڑے ہوجانا، اور ان جیسے بے شمار معجزات کا صادر ہونا جو قرآن مجید فرقان حمید میں مذکور ہیں نیز روایات صحیحہ میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ اور اہل سنت کا ان پر اجماع ہے۔ ان آیات مبارکہ اور روایات صحیحہ قویہ میں ان مبتدعین کے لیے کوئی حجت نہیں جو معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انکار کر کے اجماع امت سے خروج کرنے والے ہیں، اس لیے ان آیات میں تو بس یہی بات فرمائی گئی ہے کہ آپ ان مشرکین سے ایمان لانے کی امید ختم کردیں۔ نیز یہ کہ یہ ان نشانیوں کا مطالبہ اس لیے نہیں کررہے ہیں کہ یہ ایمان لانا چاہتے ہیں اور یہ راہ ہدایت پر آنا چاہتے ہیں، بل کہ اس مطالبے کے پیچھے ان کا بغض وعناد اور سرکشی کارفرما ہے۔

آپ ان آیات کو ملاحظہ فرمائیے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ (۱)

اور وہ (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کردیں۔

ان مطالبات اور ان جیسے بے شمار لغو مطالبات سے آپ سمجھ جائیں کہ وہ بغض وعناد میں اس مقام تک پہنچ چکے ہیں کہ ان کا ایمان لانا ممتنع ہے، اسی لیے اللہ عزوجل نے ان کے ایمان نہ لانے کا ذکر یوں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ (۲)

بے شک جنہوں نے کفر اپنالیا ہے ان کے لیے برابر ہے خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

کفار ومشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے اور ان کے

۱۔ بنی اسرائیل: ۹۰

۲۔ البقرہ: ۶

درمیان یہود کے علماء یا نصاریٰ کے پادریوں کو حکم بنالیں جو انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ان کی کتابوں میں آئی ہوئی باتوں کی خبر دے سکیں تاکہ وہ ان کو مان لیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کو یک سر مسترد فرمادیا اور اپنے رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہلوادیا:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ (۱)

(فرمادیجیے) کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو حاکم (فیصل) تلاش کروں۔ حال آں کہ وہ (اللہ) ہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل (یعنی واضح لائحہ عمل پر مشتمل) کتاب نازل فرمائی ہے۔ اور وہ لوگ جن کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی (دل سے) جانتے ہیں کہ یہ قرآن آپ کے رب کی طرف سے مبنی برحق اتارا ہوا ہے۔ پس آپ (ان اہل کتاب کی نسبت) شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ (کہ یہ لوگ قرآن کا وحی ہونا جانتے ہیں یا نہیں)

تفصیل کرنے والی کتاب سے یہ مراد ہے کہ وہ تورات اور انجیل میں آئی ہوئی آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ بیان کرتی ہے۔ جنہیں بہت سے احبار اور رہبان نے تبدیل کردیا ہے، لہٰذا ایسے لوگ حکم بنانے کے لائق ہی نہیں ہیں اس لیے کہ ان کی خواہشات نفسانی نے ان کو حق سے نابینا کردیا ہے ''اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے'' سے مراد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور نجاشی علیہ الرحمۃ جیسے لوگ مراد ہیں ''پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں'' میں فی الحقیقت مشرکین پر تعریض ہے نہ کہ آپ کو اس سے روکا جارہا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ رسالت ونبوت پر سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔ اور اس قرآن مجید میں جو کچھ بھی بیان کیا جارہا ہے وہ ازلی اور ابدی حقیقت ہے جس میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ من گھڑت نہیں ہے بل کہ ٹھیک ٹھیک امر حق ہے۔

۱۔ الانعام: ۱۱۴

اس موقع پر ایک خاص نکتے پر تنبیہ کرنا انتہائی ضروری ہے کہ جب قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ ''جن کو ہم نے کتاب دی ہے'' اور فعل کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے تو اس سے مراد حنیف مزاج اہل کتاب ہوتے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، تمیم داری اور ان جیسے دیگر اصحاب کرام جو عیسائیت یا یہودیت چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پر ایمان لا چکے تھے اور قرآن مجید جب یہ کہتا ہے کہ ''وہ جن کو کتاب دی گئی'' یعنی مجہول کے صیغہ کے ساتھ تو بالعموم اس سے مراد منصب اہل کتاب ہوتے ہیں جو اپنے بغض وعناد اور حسد و کدورت قلبی کی بنا پر حق سے انکار پر اڑے رہتے ہیں اور کبھی کبھی صرف تعارف کے طور پر ان کا ذکر ہوتا ہے۔ جیسے:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ (۱)

اور ان لوگوں کا ذبیحہ بھی جنہیں (الہامی) کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہے۔

اس کی مکمل تفصیل سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں آئے گی۔

سورت الاعراف

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۵۶۔۱۵۷)

۱۔ المائدہ:۵

اور میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے۔ سو میں عن قریب اس رحمت کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے رہتے ہیں اور وہی لوگ ہی ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

(یہ وہ لوگ ہیں جو اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر من جانب اللہ لوگوں کو اخبار غیب اور معاش ومعاد کے علوم ومعارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارگراں اور طوق (قیود) جو ان پر نافرمانیوں کے باعث مسلط تھے ساقط فرماتے (اور انہیں نعمت آزادی سے بہریاب کرتے) ہیں پس جو لوگ اس برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم وتوقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد ونصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

وسعت رحمت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں تنگی نہیں ہے وسعت ہے، وہ جس پر رحم فرمانا چاہے فرما سکتا ہے، اور پھر وسعت ورحمت کی مستحق اگرچہ یقیناً امت موسوی بھی ہے لیکن کمال رحمت کی مستحق امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام ہے جو تمام شرائط پر پوری اترتی ہے۔

موقع کی مناسبت سے یہاں بنی اسرائیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع کی دعوت دی جارہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن شرائط پر رحمت کا مستحق امت موسوی کو قرار دیا گیا تھا وہ آج بھی بہ دستور قائم ہیں اور ان کا تقاضہ یہ ہے کہ تم نبی امی پر ایمان لے آؤ یہاں رسول، نبی امی کے تین اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں امی کے لفظی معنی ان پڑھ کے ہیں یعنی وہ شخص جو رسمی طور پر پڑھنے لکھنے سے ناواقف ہو اور عرب کے باشندے عموماً پڑھنے لکھنے سے ناآشنا تھے اس لیے ان کو امی کہا جاتا تھا جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ کسی کا شاگرد نہیں ہوتا یہی صورت حال جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی مگر اس کے

باوجود سارے عالم کو دنگ کر دینے والے علوم وحقائق اور معارف کو ظاہر کر کے رکھ دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلمیذ الرحمٰن تھے آپ کی امت کے اکثر عرب بھی امی تھے پھر اسلام اور قرآن پاک کی بدولت وہ ساری دنیا کے امام بن کر معلم بن گئے۔

اس میں شبہ نہیں کہ تورات وانجیل میں بے شمار تحریفات اور تبدیلیاں کر دی گئی ہیں، تاہم پھر بھی ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت بہت سے کلمات واحوال موجود اور اوصاف وعلامات مذکورہ ہیں۔

یوں تو تمام انبیا کا وصف امر بالعروف اور نہی عن المنکر رہا ہے مگر یہاں خصوصی امتیاز کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس وصف کے ذکر کرنے میں خصوصی امتیاز فرماتے ہیں اور ناپاک اور گندی چیزوں کو حرام کر دیتے ہیں اس میں برے اخلاق عادات اور گندے مذاق کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ مذہبی احکام پر خود ساختہ بے جا سختیاں ناقابل عمل پابندیاں سمجھ بوجھ سے بالاتر تعقیدوں کا بوجھ، توہم پرستوں کا انبار، مذہب کے نام پر اندھی اور بے جا تقلید کی بیڑیاں، پیشواؤں کی پرستش کی بوجھل زنجیر وغیرہ اس نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب سے نجات دلا کر حق اور صداقت وہدایت کی ایسی سہل اور آسان راہ دکھائی جس میں عقل ودانش کے لیے کوئی نہج پہنچ اور عمل کے لیے کوئی بوجھ نہیں ہے اب جو لوگ اس نبی امی پر ایمان لے آئیں گے ان کی تعظیم وتوقیر کریں گے اور ان کے معاون بنیں گے اور قرآن مجید اور سنت طیبہ کی اتباع کریں گے یہی کامیاب ہو جائیں گے۔ فلاح دارین پائیں گے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی اطاعت واتباع محض حاکم ہونے کی حیثیت سے ہی کافی نہیں بل کہ آپ کی تعظیم وتوقیر کے ساتھ اتباع لازم ہے آپ جہاں حاکم ہیں وہیں محبوب ومعظم مکرم ومحترم بھی ہیں ادب نبوی کا تقاضہ یہی ہے کہ اللہ رب العالمین کے بعد رسول رحمۃ اللعالمین کا سب سے زیادہ ادب اور توقیر واحترام ملحوظ رکھا جائے۔

بنی اسرائیل اپنے نسلی غرور میں مبتلا تھے انہوں نے احکام خداوندی ماننے سے انکار کر دیا تھا جب اللہ کی طرف سے ان پر سختیاں کی گئیں تو انہوں نے اپنے اوپر احکامات کی سختی کی وجہ سے تورات کو قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا تو اللہ نے ان پر پہاڑ گرانے کی دھمکی دی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ (۱)

اور (وہ وقت یاد کیجیے) جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو یوں بلند کر دیا جیسا کہ وہ ایک سائبان ہو اور وہ یہ گمان کرنے لگے کہ ان پر گرنے والا ہے (سو ہم نے ان سے فرمایا ڈرو نہیں بل کہ) تم وہ کتاب مضبوطی سے (عملاً) تھامے رکھو جو ہم نے تمہیں عطا کی ہے اور ان احکام کو خوب یاد رکھو جو اس میں (مذکور) ہیں تا کہ تم (عذاب سے) بچ جاؤ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات نہایت سہل اور آسان ہیں اس لیے آپ نے فرمایا کہ ''مجھے آسان حنیفیت دے کے بھیجا گیا ہے'' اب یہاں ہم پھر آیت ۱۷۵ کا آخری حصے پر آتے ہیں جس میں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اب جو یہودیت اور عیسائیت پر باقی (قائم) نہیں ہیں وہی کام یاب ہیں ایک نکتہ پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں قرآن مجید کو ''نور'' کہا ہے اسی طرح قرآن مجید میں بعض دیگر مقامات پر بھی قرآن کریم کے لیے نور کا لفظ استعمال ہوا ہے نور اپنے ماحول کو اپنے اطراف کو روشن کرتا ہے جلا بخشتا ہے، جلاتا نہیں ہے اس سے اس کی تعلیمات و تفہیمات کے سہل اور آسان ہونے کا اشارہ ملتا ہے تو گویا اس کا نور یعنی اس کی روشنی چاند کے نور یعنی چاند کی روشنی کی طرح ہے، جب قرآن مجید میں تورات کو ''ضیاء'' کہا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ (۲)

اور بے شک ہم نے موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو (حق و باطل میں) فرق کرنے والی اور (سراپا) روشنی اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت (پر مبنی کتاب تورات) عطا فرمائی۔

''ضیاء'' ایسی روشنی کو کہتے ہیں کہ جس میں تپش، حدت اور احراق کی صفت پائی جاتی ہو

۱۔ الاعراف: ۱۷۱

۲۔ الانبیاء: ۴۸

اس سے تورات کی تعلیمات کی شدت اور سختی کا اشارہ ملتا ہے۔ اس کی حقیقت اس وقت مزید کھل کر سامنے آتی ہے جب آپ یہ آیت پڑھتے ہیں:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ (۱)

وہی ہے جس نے سورج کو روشنی (کا منبع) بنایا اور چاند کو اس سے روشن کیا اور اس کے لیے (کم وبیش دکھائی دینے کی) منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (اوقات کا) حساب معلوم کرسکو۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ (۲)

آپ فرما دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں جس کے لیے تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ سو تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ جو (شان امیت کا حامل) نبی ہے (یعنی اس نے اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں پڑھا مگر جمیع خلق سے زیادہ جانتا ہے اور کفر وشرک کے معاشرے میں جوان ہوا مگر بطن مادر سے نکلے ہوئے بچے کی طرح معصوم اور پاکیزہ ہے) جو اللہ پر اور اس کے (سارے نازل کردہ) کلاموں پر ایمان رکھتا ہے اور تم ان ہی کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاسکو۔

اس آیت میں رسول اور نبی دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مشہور تو یہ ہے کہ نبی کا لفظ

۱۔ یونس:۵

۲۔ الاعراف:۱۵۸

عام اور رسول کا لفظ خاص ہے۔ لیکن اگر یہ دیکھا جائے کہ نبی صرف انسان ہوتا ہے تو نبی کا مصداق خاص ہوا اور رسول انسان کی طرح فرشتہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہے تو رسول کا مصداق عام ہوا یعنی دونوں میں عام خاص مطلق کی نہیں بل کہ عام خاص من وجہ کی نسبت ہوئی اس آیت میں پیغمبر اسلام کو نبی بھی کہا گیا اور رسول بھی جس سے آپ کی شان جامعیت معلوم ہوئی۔

یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ سے بعض مفسرین قرآن نے اخذ کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے بھی رسول تھے۔ لیکن اصح یہی ہے کہ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بل کہ ہر نبی اور رسول کا یہی معاملہ ہے کہ وہ اپنے اوپر آنے والی وحی پر ایمان لانے کا مکلف ہوتا ہے اس آیت میں آپ کے نبی و رسول ہونے کے ساتھ ساتھ امی وصف کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہ وصف ایک مادی معجزے کی جانب نشان دہی کر رہا ہے جس کے سامنے ہر نبی کا معجزہ کم ہے، اس لیے کہ امی شخص کا ایک ایسی عظیم الشان کتاب لے کر آنا جس سے جنات وانسان سب عاجز رہ جائیں یہ ایک انتہائی درجے کا معجزہ ہے، علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے

كفاك بالعلم فى الأمى معجزة
من النبى والتأديب فى اليتم

تمہارے لیے یہی بات کافی ہے کہ تم یہ جان لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امی ہونے میں اور یتیم ہونے کے باوجود ادب واخلاق کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے میں بڑا معجزہ ہے۔

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفا پہاڑ پر تشریف لائے اور ایک ایک قبیلے کا نام لے کر آواز دی پھر آپ نے ان کو ایمان کی دعوت دی اور اللہ کی گرفت سے ڈرایا ان میں سے کسی نے آپس میں کھسر پھسر کے انداز میں کہا کہ تمہارا یہ شخص پاگل ہو گیا ہے یہ صبح تک چیختا پکارتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دفاع میں یہ آیت نازل فرمائی:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ

مُّبِیۡنٌ﴿۱۸۴﴾(۱)

کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ انہیں صحبت کے شرف سے نوازنے والے (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جنون سے کوئی علاقہ نہیں وہ تو (نافرمانوں کو) صرف واضح ڈرسنانے والے ہیں۔

حق کی دعوت دینے والوں کو ہمیشہ پاگل مجنون اور دیوانہ کہا گیا ہے۔ اگر اہلِ مکہ فکر ونظر سے کام لیتے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوان ہی میں پیدا ہوئے ان میں رہے ان کے لیے سچائی کی سب سے بڑی دلیل آپ کے بے شمار معجزات جن میں قرآن مجید سب سے بڑا معجزہ تھا سارے معجزات عظیم الشان مگر آپ کی عادت واطوار، اخلاق وکردار، اور پاکیزہ زندگی کاربانی انداز بھی ایک معجزہ تھا جس میں کوئی دوسرا آپ کی ہم سری، اور برابری نہیں کرسکتا تھا۔ ایسی ذات بابرکات کے بارے میں جنون کا گمان کرنا خود بڑا جنون اور دیوانہ پن ہے۔ اللہ کی طرف سے دفاع یہ بھی اللہ کی اپنے پیغمبر کے ساتھ عنایت ورالفت کی بڑی اور خاص دلیل ہے۔

سورت الانفال

اللہ تبارک وتعالیٰ نے غزوہ بدر میں ملائکہ کے ذریعے اپنے پیغمبر کی مدد کا ذکر فرمایا ہے، جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں لیکن سورت آل عمران میں ایک بات کا ذکر نہیں تھا وہ یہاں سورت انفال میں بیان ہورہا ہے وہ یہ کہ معرکہ شروع ہونے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کی طرف کنکریاں پھینکی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مٹھیاں مٹی کنکروں کی کفار کی طرف پھینکیں، ایک لشکر کے دائیں جانب اور دوسری بائیں جانب اور تیسری لشکر کے سامنے وہ کنکریاں دشمن کے ہر سپاہی کی آنکھ میں پہنچ گئیں بس پھر کیا تھا کفار کے پورے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی کفار ایک ہزار تھے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔

۱۔ الاعراف: ۱۸۴

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس کو یوں بیان فرماتا ہے:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ (۱)

اور (اے حبیب محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگ ریزے) مارے تھے وہ آپ نے نہیں مارے تھے بل کہ وہ تو اللہ نے مارے تھے۔

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس شعر میں اسی جانب اشارہ فرمایا ہے:

ورمی بالحصی فأقصد جیشا
ماالحصی عندہ وما الالقاء

اور جب آپ نے سنگ ریزے مارے تو وہ لشکر کو جا لگے آپ کے پاس کیسی کنکریاں تھیں اور یہ کیسا پھینکنا تھا؟

یہ بھی ایک مادی معجزہ تھا جو مقتضائے احوال کے مطابق ظہور پذیر ہوا، جس کا ذکر سورت الانعام میں آچکا ہے، بل کہ غزوہ بدر میں فرشتوں کا قتال کرنا بھی مادی معجزہ ہے، جسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خود ملاحظہ کیا اور دوسروں کو بتایا۔

پھر جب انصار مدینہ نے اسلام قبول کرلیا تو قریش کو اس بات کا بہ خوبی اندازہ ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا دین روز بہ روز ترقی کر رہا ہے اور لوگ جوق در جوق اس میں جڑتے جا رہے ہیں تو قریش اور شیر قریش تمام رہ نمایاں باطل مشاورت کے لیے دار الندوہ میں جمع ہوئے تو ان کے ساتھ ابلیس بھی ایک نجدی شیخ کے لبادے میں حاضر ہوا، گفت گو ہوئی آراء کا تبادلہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل پر بات پڑی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو اپنے نبی کے پاس بھیج دیا، تاکہ آپ کو اس مشورے کی اطلاع پہنچادی جائے اور آپ کو ہجرت کی اجازت دی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سونے کے لیے چھوڑ گئے۔ مشرکین نے گھر کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ آپ نے سورت یاسین کی ابتدائی آیات:

۱۔ الانفال: ۱۷

فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (۱) تلاوت کیں مٹھی بھر مٹی لی اور ان پر پھینک دی اور فرمایا شاهت الوجوه چہرے ہلاک ہوں'' چناں چہ ان کی آنکھیں گویا بند ہو گئیں وہ لوگ اپنی آنکھیں ملتے رہ گئے اور نہ دیکھ سکے اور نہ ہی محسوس کر سکے۔ انہیں اگلے دن معلوم ہوا کہ جب کسی نے ان کو بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو جا چکے ہیں اور ان پر مٹی پھینک گئے ہیں، چناں چہ پھر ایک مرتبہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑی اور آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچا سکے۔

یہ بھی ایک مادی معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فضل وکرم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (۲)

اور جب کافر لوگ آپ کے خلاف خفیہ سازش کر رہے تھے کہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو (وطن سے) نکال دیں اور (ادھر) وہ سازشی منصوبے بنا رہے تھے اور (ادھر) اللہ (ان کے مکر کے رد کے لیے اپنی) تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر مخفی تدبیر فرمانے والا ہے۔

بعض مرتبہ انسان اپنی حماقت و جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے کیا کیا منصوبے بناتا ہے۔ اور مکڑی کی طرح کیسی کیسی سازشوں اور مکر وفریب کے جال بنتا ہے مگر قدرت اور حکمت الٰہی کی مخفی تدبیریں اس بارے میں کیا ہوتی ہیں اس کو کوئی نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ اس نے اپنے انبیا و رسل کو جھٹلانے والوں کو جب جب انہوں نے ان کو للکارا، ان انبیا و رسل کے سامنے ان کی حیات پاک ہی میں ان مکذبین کو ہلاک کیا، تاکہ ان کو ہلاک کر کے اس وقت کے رسول کو تسکین دی جائے۔ چناں چہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو طوفان سے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم سخت چیخ سے، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو بادصرصر سے، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو پتھروں سے، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو سائبان سے، فرعون اور اس کی قوم کو غرقابی سے، قارون کو زمین میں دھنسا کر ہلاک کیا۔

۱۔ یاسین:۹

۲۔ الانفال:۳۰

لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو سنگ باری، خسف و مسخ اور دیگر اقسام عذاب جن کے ذریعے پچھلی امتوں کو ہلاک کیا گیا تھا ہمارے نبی کے اعزاز میں انہیں ہٹا دیا گیا۔ اور آپ کے وجود مسعود کو امت پر عذاب کے نزول کے لیے مانع وممنوع قرار دے دیا اس حقیقت کے باوجود کہ آپ کے مخالفین مسلسل عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے۔

ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ (۱)

اور جب انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو (اس کی نافرمانی کے باعث) ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے، اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان پر عذاب فرمائے درآں حالے کہ (اے حبیب مکرم) آپ بھی ان میں موجود ہوں! اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے مانع ہے اس لیے حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو مہلت دی جائے، تاکہ آپ کو مبعوث کرنے کا مقصد پورا ہو اور آپ کا دین غالب آ جائے اللہ انہیں عذاب تو ضرور دے گا مگر ایسا نہیں کہ ان کی نسلوں کو نیست و نابود کر دیا جائے آپ کو جہاد میں ان پر غلبہ عطا فرمائے گا، فرشتوں کے ذریعے نصرت پہنچے گی، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۚ وَيَتُوْبُ

۱۔ الانفال: ۳۲۔۳۳

اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ (۱)

تم ان سے جنگ کرو اللہ تمہارے ہاتھوں اس میں عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان (کے مقابلے) پر تمہاری مدد فرمائے گا اور ایمان والوں کے سینوں کو شفا بخشے گا اور ان کے دلوں کا غم وغصہ دور فرمائے گا اور اللہ بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

اور جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ (۲)

اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

اس میں عام استغفار کرنے والے مراد ہیں خواہ مسلمان ہوں یا مشرک، چناں چہ کفار و مشرکین بھی طواف کعبہ کے وقت **غفرانك، غفرانك** کہا کرتے تھے کفر وشرک کے ساتھ یہ استغفار اگر چہ آخرت میں مفید نہ ہو لیکن دنیاوی طور پر کم از کم وقتی طور پر یہ عذاب سے بچ گئے، پھر اس میں دوسرے مانع کا بھی ذکر ہے وہ ان کا حرم مکی میں بہ وقت طواف استغفار کرنا ہے لیکن یہ مانع دائمی نہیں ہے بل کہ ان کے مکہ مکرمہ میں رہنے کے ساتھ منسلک ہے جہاں وہ طواف کے ساتھ ساتھ استغفار کرتے رہتے ہیں۔

چناں چہ اللہ عزوجل نے جب ان کو عذاب دینے کا ارادہ فرمایا تو ان کو میدان بدر کی طرف ہانکا جہاں انہیں قتل وقید و بند اور ذلت مسکنت کا سامنا کرنا پڑا پھر اس کے بعد ان پر یکے بعد دیگرے مصائب وآلام آئے، یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو فتح کروایا اور اسے مشرکین کے شرک اور پلیدی سے پاک کر دیا۔

اسی وجہ سے اس آیت میں استغفار کے ساتھ ان سے عذاب کی نفی کو موکد نہیں فرمایا اور

۱۔ التوبہ: ۱۴۔۱۵

۲۔ الانفال: ۳۳

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مسعود کو عذاب کے مانع قرار دیا وہاں لام جحود سے موکد کر دیا جو اس مانع کے دائمی ہونے کی طرف اشارہ ہے اسی لیے امت محمد یہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں خسف و مسخ اور نیست و نابود کر دینے والا عذاب نہیں ہوگا۔ البتہ یہ بات ضرور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قرب قیامت میں اس امت کے خاص افراد پر شراب و زنا اور بہت سے دیگر محرمات کو حلال قرار دینے کی وجہ سے مسخ کا عذاب ہوگا تو یہ ان خاص افراد کے ساتھ ہی مختص ہوگا، جیسا کہ انفرادی طور پر بعض واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ جن میں سے ایک کا ذکر میں نے اپنی کتاب واضح البرھان علی تحریم الخمر فی القرآن میں اور دوسرے واقعے کا تذکرہ علامہ ابو عبداللہ محمد بن نعمان تلمسانی نے اپنی کتاب مصباح الظلام فی المستخثین بخیر الأنام فی الیقظعة والمنام میں تیسرے واقعے کا ذکر علامہ شعرانی نے اپنی کتاب ''المنن الکبریٰ'' کے بارہویں باب میں کیا ہے، اوران تینوں واقعات کا سبب حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو سب وشتم کرنا تھا۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ (۱)

سوتم ان میں سے کھاؤ جو حلال پاکیزہ مال غنیمت تم نے پایا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

یہ آیت کریمہ امت محمد یہ کے لیے مال غنیمت کے حلال ہونے کی صراحت کرتی ہے یہ بھی ان امور میں سے ہے جن کے ذریعے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسرے انبیا علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے، جیسا کہ سورت آل عمران کے ضمن میں ایک حدیث وارد ہوئی تھی۔ کہ ہم سے پچھلی امتوں میں غنیمت کے بارے میں یہ معاملہ تھا کہ مال غنیمت کو ایک جگہ اکٹھا کر کے رکھ چھوڑتے تھے، پھر ایک آگ آتی اور اس کو کھا جاتی تھی۔

۱۔ الانفال:۶۹

سورت التوبہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو غزوہ تبوک میں اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی، مسلمان اس زمانے میں بڑی تنگی اور تنگ دستی کا شکار تھے۔ شدید گرمی کا موسم تھا کھجوروں کے باغات پر کھجوروں کی سوغات شباب پر تھی، فصلیں پک رہی تھیں مسلمانوں کے پاس سرمائے کی کمی اور سواریوں نیز سامان حرب کا انتظام سخت دشوار تھا دنیا کی انتہائی بڑی طاقت سے مقابلہ تھا، اس لیے اس موقع پر جہاد کے لیے نکلنا بعض لوگوں پر شاق گزرا، اور بہت سے نہ نکل سکے، ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـــًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (۱)

اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکلو تو تم بوجھل ہو کر زمین (کی مادی و سفلی دنیا) کی طرف جھک جاتے ہو کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی سے راضی ہو گئے ہو سو آخرت (کے مقابلہ) میں دنیوی زندگی کا ساز و سامان کچھ بھی نہیں مگر بہت ہی کم (حیثیت رکھتا ہے) اگر تم (جہاد کے لیے) نہ نکلو گے تو وہ تمہیں دردناک عذاب

۱۔ التوبہ: ۳۸۔۴۰

میں مبتلا فرمائے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر بڑی قدرت رکھتا ہے۔ اگر تم ان کی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدوجہد میں) مدد نہیں کرو گے (تو کیا ہوا) سو بے شک اللہ نے ان کو (اس وقت بھی) مدد سے نوازا تھا جب کافروں نے انہیں (وطن مکہ سے) نکال دیا تھا درآں حالے کہ وہ دو (ہجرت کرنے والوں) میں سے دوسرے تھے۔ جب کہ دونوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) غار (ثور) میں تھے جب وہ اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے فرما رہے تھے غم زدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرمادی اور انہیں (فرشتوں کے) ایسے لشکروں کے ذریعے قوت بخشی جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور اس نے کافروں کی بات کو پست و فروتر کر دیا اور اللہ کا فرمان تو ہمیشہ بلند و بالا ہی ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت وحمایت کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الگ نہیں رہی، اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تمام مواقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ سورت نسا میں بھی یہ بات بیان کی جا چکی ہے اور یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات وامتیاز میں سے ایک ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک کی طرف نکلنے کا ارادہ فرمایا تو بعض منافقین نے حیلے بہانے کیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو وجوہات کی بنا پر ان کو رخصت دے دی تھی:

۱۔ اللہ عزوجل نے اس ضمن میں کوئی حکم نازل نہیں فرمایا تھا۔ نہ اجازت کا اور نہ ہی ممانعت کا۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ چاہا کہ انہیں اپنے ساتھ نکلنے پر مجبور کریں اور ان پر دباؤ ڈالیں کیوں کہ نہ چاہتے ہوئے ان کا نکلنا جنگی صورت حال میں ضرر رساں بھی ہو سکتا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیات نازل فرماویں کہ انہیں رخصت نہ دینا ہی زیادہ بہتر تھا کیوں کہ اگر آپ رخصت دیتے تب بھی یہ جانے والے نہیں تھے لیکن کم از کم ان کا نفاق کھل کر سامنے آجاتا۔ اور سچوں اور جھوٹوں میں تمیز ہوجاتی۔

اس آیات کو اللہ تعالیٰ نے **عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ** سے شروع کیا۔ جیسا کہ عرب کی عادت تھی وہ اپنے کلام کو اس طرح کے جملوں سے جیسے **غفر اللہ لک یا جعلت فداک** سے شروع کرتے تھے اس سے مخاطب کی تعظیم وتکریم اور اعزاز واکرام مقصود ہوتا ہے۔ جب کہ مخاطب صاحب مقام ہو۔ اس سے اس جملے کے وصفی معنی مراد نہیں ہوتے تھے۔ چناں چہ یہ آیت اپنے عربی بلاغت کے اسلوب کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتکریم کے معانی دیتی ہے چناں چہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں تنبیہ یا عتاب ہے وہ غلط فہمی اور وہم کا شکار ہوئے ہیں اس لیے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی حکم کی مخالفت ہی نہیں کی ہے جو تنبیہ یا عتاب کی نوبت آتی۔ اور یہ الفاظ کہ **لم اذنت لھم** ''آپ نے ان کو اجازت بھی کیوں دی'' ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تا کہ آپ کے لیے واضح ہوجاتا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے یہ بھی مذکورہ سیاق یعنی اولیٰ بات کے ترک کے سیاق میں ہے اور یہ انتظامی اعتبار سے ہے اس کا دین متین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

قشیری کی رائے ہے کہ جو کوئی یہ کہے کہ گناہ کے بغیر معافی کا لفظ نہیں بولا جاتا وہ کلام عرب سے واقف نہیں ہے اور علامہ مکی فرماتے ہیں کہ **واغفرلك** کے معنی **عافاك اللہ** کے ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ **عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ** میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے حد توقیر وتعظیم ہورہی ہے۔ بیان کرنا مقصود یہ ہے کہ اس آیت کا اسلوب بھی ان اسالیب میں سے ہے جو خطاب کے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔

منافقین کی ایک جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں نامناسب ، باتیں کیں تو ان منافقین میں سے ہی چند نے کہا کہ ایسی باتیں نہ کرو اگر یہ باتیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئیں تو ہم زیر عتاب آجائیں گے، کیوں کہ منافقین سامنے تو چاپلوسی اور خوشامد

کا رویہ اختیار کرتے تھے، اور پیٹھ پیچھے نکتہ چینی عیب جوئی اور تنقید کرتے تھے۔

اسی گفت گو ایک منافق ابن سوید نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانوں کے کچے ہیں، فکر کی کوئی بات نہیں ہم جو چاہیں گے کہیں گے تو ان کے پاس جا کر قسم کھا کر انکار کر دیں گے کہ ہم نے بات کہی ہی نہیں ہے تو وہ ہماری بات سچ مان لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا دفاع فرمایا اور منافقین کو ذلیل ورسوا کرتے ہوئے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ (۱)

اور ان (منافقوں) میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو کان (کے کچے) ہیں فرما دیجیے تمہارے لیے بھلائی کے کان ہیں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اہل ایمان (کی باتوں) پر یقین کرتے ہیں اور تم میں سے جو ایمان لے آئے ہیں ان کے لیے رحمت ہیں اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اپنی بدعقیدگی بدگمانی اور بدزبانی کے ذریعے) اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اور جب کہ مذکورہ آیت کا موازنہ اس آیت سے کرتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۵﴾ (۲)

اور (اے حبیب وہ وقت یاد کیجیے) جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم مجھے اذیت کیوں دیتے ہو حال آں کہ تم جانتے ہو میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں پھر جب انہوں نے کج روی جاری رکھی تو

۱۔ التوبہ: ۶۱

۲۔ الصف: ۵

اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

تو اندازہ ہوتا ہے کہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ کلیم اللہ علیہ الصلاۃ والسلام سے کئی درجہ بلند تر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۚ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (۱)

(یہ منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہیں کہا حال آں کہ انہوں نے یقیناً کلمہ کفر کہا اور وہ اپنے اسلام (کو ظاہر کرنے) کے بعد کافر ہو گئے اور انہوں نے (کئی اذیت رساں باتوں کا) ارادہ بھی کیا تھا جنہیں وہ نہ پا سکے سوائے اس کے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فضل سے غنی کر دیا تھا۔ سو اگر یہ (اب بھی) توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اگر (اسی طرح) روگرداں رہیں تو اللہ انہیں دنیا اور آخرت (دونوں زندگیوں) (روگرداں رہیں تو اللہ انہیں دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں) دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا اور ان کے لیے زمین میں نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔

جلاس ابن سوید نے کہا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پیغام میں سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول نے بڈیان بکا تھا کہ جب ہم مدینے پہنچیں گے تو ہم میں سے عزت والے ذلت والوں کو باہر نکال دیں گے۔ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے نبی پر عیب جوئی اور بدخوئی کفر ہے اسلام کے بعد کفر کا مطلب یہی ہے کہ اسلام ظاہر کرنے

۱۔ التوبہ: ۷۴

کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں بدتمیزی اور بے حرمتی کر کے انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے اور'' انہوں نے (کئی اذیت رساں باتوں کا) ارادہ بھی کیا تھا جنہیں وہ نہ پا سکے'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تبوک سے لوٹتے وقت بارہ افراد نے رات کی تاریکی میں آپ ﷺ پر حملے کا ارادہ کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے ناپاک ارادے سے مطلع کر دیا تھا اور آپ نے حفاظتی تدبیر کر لی تھی اس طرح تبوک اور رومیوں کے مقابلے سے منافقین کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہ خیر و عافیت واپسی کی توقع نہیں تھی اس لیے منافقین نے یہ سازش تیار کی تھی کہ اگر ایسا ہوا تو فوراً عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا جائے گا۔

یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت و امتیاز ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے دشمنوں کی ناپاک حرکتوں اور سازشوں سے باخبر کر دیتا ہے جب کہ بہت سے انبیا اپنے دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوتے رہے۔

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (۱) میں فرمادیا کہ ہم نے انہیں غنیمت عطا کی جب کہ اس سے پہلے ان کو فقر و تنگ دستی کا سامنا تھا اس کی وجہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی۔ اس میں مدح بہ شکل ذم کی تاکید ہے۔ اور مدح کا یہ اسلوب بلاغت میں معروف ہے گویا یہ کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی قابل عیب بات ہی نہیں ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے مسلمانوں کو امیر اور غنی کر دیا اور یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ لہٰذا ان میں کوئی عیب نہیں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل مدینہ طیبہ ایک عام سا قصبہ تھا اور یہاں کے رہنے والے اوس اور خزراج کوئی خاص مال دار نہ تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بعد آٹھ نو سال ہی میں عربستان کا یہ قصبہ دارالسلطنت بن گیا اور یہ دونوں قبائل کاشت کاری کے بہ جائے اب سلطنت کے کار پرداز بن گئے اور مدینہ طیبہ مرکزی شہر بن گیا اور اس شہر پر ہر طرف سے دھن برسنے لگا یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا احسان نہیں تھا تو اور پھر کیا

۱۔ التوبہ: ۷۴۔

تھا۔ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تمہارا یہ غصہ کیا اس قصور کی سزا ہے کہ ان کی بہ دولت ان کی برکت سے تم کو یہ نعمتیں عطا کی گئیں محاورے کے اعتبار سے وما نقموا..... کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ بول چال میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ مجھ سے یہ غلطی ہوگئی کہ میں وقت پر تمہارے کام آ گیا بلاغت میں اس کو تاکید الشیٔ بخلافہ کہتے ہیں۔

پھر مزینہ اور جہینہ جو کہ مؤمن تھے اور ثواب کے نیت سے جہاد میں اپنا مال خرچ کر رہے تھے ان کے بارے میں آیات ہیں پھر ارشاد ہے کہ

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ (۱)

اور ان دیہاتی گلفواروں میں سے وہ شخص بھی ہے جو اس مال کو تاوان قرار دیتا ہے جسے وہ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اور تم پر زمانے کی گردشوں (یعنی مصائب وآلام) کا انتظام کرتا رہتا ہے۔ (بلا ومصیبت کی) بری گردش ان ہی پر ہے اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کو اہتمام سے سنتا اور شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔

پھر غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے مومنوں کی توبہ اور اس کی قبولیت کا ذکر ہے۔ کہ ان صحابہ کو دربار خداوندی سے جو معافی ملی ہے اس معافی کے انداز بیان سے جو شفقت ورأفت ٹپکتی ہے اس کی بنیادی وجہ ان کا وہ اخلاص ہے جس کا ثبوت انہوں نے اپنے پچاس دن کی سخت سزا کے دوران دیا تھا اس کڑی آزمائش کے موقع پر جو روش ان تینوں صحابہ کرام نے اختیار کی جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے نواز دیے گئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا

۱۔ التوبہ: ۹۸

يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ (۱)

اہل مدینہ اور گردونواح کے (رہنے والے) دیہاتی لوگوں کے لیے مناسب نہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (الگ ہوکر) پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ ان کی جان (مبارک) سے زیادہ اپنی جانوں سے رغبت رکھیں۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو پیاس لگتی ہے اور جو کسی ایسی جگہ پر چلتے ہیں جہاں کا چلن کافروں کو غضب ناک کرتا ہے اور دشمن سے جو کچھ بھی پاتے ہیں (خواہ قتل اور زخم ہو یا مال غنیمت وغیرہ) مگر یہ کہ ہر ایک عات کے بدلے میں ان کے لیے ایک نیک عمل لکھا جاتا ہے بے شک اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

اس آیت میں خبر کے صیغے میں نہی ہے، یعنی یہ ان کے لیے جائز نہیں مگر اس اسلوب میں تاکید زیادہ ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کو اپنی جانوں پر ترجیح دیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان بارگاہ خداوندی میں نہایت معزز ومحترم ہے۔

سورت کے آخر میں ارشاد ہے:

لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (۲)

بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تمہارا تکلیف ومشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں گزرتا ہے (اے لوگو) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب وآرزومند رہتے

۱۔ التوبہ: ۱۲۰

۲۔ التوبہ: ۱۲۰

ہیں اور مؤمنوں کے لیے نہایت ہی شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

پوری سورت میں کفار و منافقین کی بدطینت فطرت اور ان سے جہاد و قتال کا بیان چلا آ رہا ہے جب زبانی تبلیغ و دعوت کارگر نہ رہے تو پھر جہاد فی سبیل اللہ ہی آخر درجہ رہتا ہے دعوت الی اللہ ہی پیغمبران کرام کا اصل کام ہے کہ محبت و شفقت اور نہایت صبر و دل سوزی سے مخلوق خدا کو خدا کی طرف بلائیں اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف و مصائب پر صبر و توکل کریں۔

سورت یونس

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان مشرکین کا رد فرمایا ہے جنہوں نے قرآن مجید فرقان حمید کی تکذیب کی اور اسے من گھڑت کہا۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (۱)

یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اسے اللہ (کی وحی) کے بغیر گھڑ لیا گیا ہو لیکن یہ ان (کتابوں) کی تصدیق (کرنے والا) ہے جو اس سے پہلے (نازل ہو چکی) ہیں اور جو کچھ (اللہ نے لوح میں یا احکام شریعت میں) لکھا ہے اس کی تفصیل ہے اس (کی حقانیت) میں ذرا بھی شک نہیں یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اسے رسول نے خود گھڑ لیا ہے آپ فرما دیجیے پھر تم اس کی مثل کوئی ایک سورت لے آؤ اور (اپنی مدد کے لیے) اللہ کے سوا جنہیں تم بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

اعجاز قرآن صرف فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے یقیناً قرآن مجید اس خصوصیت کے اعتبار سے منفرد ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس کی لاجواب

۱۔ یونس: ۳۷۔۳۸

تعلیمات اس کا پیغام اس کے بے بیش بہا اصول ومضامین اس کے لیے طرہ امتیاز ہیں، کوئی انسانی دماغ ایسی تصنیف نہیں کرسکتا، ان بیش بہا مضامین میں جن جن پہلوؤں سے قرآن مجید اپنا لوہا منواتا ہے اور ان کا من جانب اللہ ہونا باور کراتا ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ کوئی انسان ایسی تصنیف پر قادر نہیں۔ اس کی پیش کردہ ماضی کی تاریخ اور مستقبل سے متعلق پیش گوئیاں بھی وجوہ اعجاز میں داخل ہیں، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر شخص کے کلام میں کوئی نہ کوئی خصوصیت اور امتیاز ہوتا ہے جس کی کوئی دوسرا شخص نقل نہیں کرسکتا، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی نقل نہیں کرسکتا مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ وہ کلام الٰہی ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس سال تک ایسا کلام کیوں نہیں پیش کیا۔ اکتالیسویں سال میں قدم رکھتے ہی آخر ایسی کیا بات ہوئی کہ ایسا کلام آنا شروع ہوگیا۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیث نبوی کے طرز میں اتنا نمایاں فرق کیوں ہے جب کہ معترضین کے بہ قول دونوں ہی آپ کے کلام ہیں، چناں چہ تمام فصحا و بلغا نے اس فرق کو باقاعدہ تسلیم کیا ہے، پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ کسی فرد کے کلام میں ہزار خصوصیات سہی لیکن دوسرے فصحا و بلغا اگر کوشش کریں تو تھوڑے بہت فرق کے ساتھ نقل ممکن تو ہے، پھر بار بار کے چیلنج کے باوجود معاندین ومخالفین کام یاب کیوں نہ ہوسکے۔

نیز یہ کہ شخصی خصوصیات وامتیازات ہوتے ہوئے بھی کسی نے اپنے کلام کی دعوت مقابلہ نہیں دی مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلم کھلا ساری دنیا کو چیلنج کیا اور دعوت مقابلہ دی تو سب طرف مکمل خاموشی طویل سکوت وہ چیلنج بھی صرف اور صرف قرآن مجید کے بارے میں دیا۔ حدیث کے بارے میں آپ نے کوئی چیلنج کوئی دعوت مقابلہ اور کوئی دعویٰ نہیں کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی طرح کی دعوت مقابلہ دی، کبھی ایک سورت لانے کا جیسا کہ اس آیت میں ہے جو پیش کی گئی۔ یہ آیت سب سے چھوٹی سورت سورۃ الکوثر پر بھی صادق آتی ہے۔ اور کبھی دس سورتوں کا جیسا کہ ارشاد ہے:

قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ (۱)

فرمادیجیے تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا (اپنی مدد کے لیے) جسے بھی بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

پھر فرمایا:

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ (۲)

پس انہیں چاہیے کہ اس (قرآن) جیسا کوئی کلام لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔

پھر ایک جگہ پورے قرآن مجید کا مطالبہ ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ (۳)

فرمادیجیے اگر تمام انسان اور جنات اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کے مثل (کوئی دوسرا کلام بنا) لائیں گے تو بھی وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔

یہ سارے چیلنجز اپنے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت اور امتیاز کے اظہار کے لیے ہے اور ان آیات میں پچھلے انبیا و رسل کے تمام معجزات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم معجزے قرآن حمید کی عظمت و فضیلت بتانا مقصود ہے اور یہ بتانا ہے کہ یہ معجزہ یعنی قرآن مجید ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

سورت الرعد

اہل کتاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد بیویاں ہونے پر اعتراض کیا اور عیب جوئی کرنی شروع کر دی اور کہا کہ اگر یہ نبی ہوتے تو عورتوں کے قریب بھی نہیں جاتے،

۱۔ ہود: ۱۳

۲۔ الطور: ۳۴

۳۔ بنی اسرائیل: ۸۸

دنیا میں یہ عالم گیر گم راہی پھیلی ہوئی تھی کہ پیغمبر کی ذات انسانوں سے بالاتر ہستی ہونی چاہیے، قرآن مجید ایسے باطل خیالات کی تردید کرتا ہے، دراصل یہ غلط فہمی انبیا ورسل کی بعثت کا مقصد نہ سمجھنے کی بنا پر رہی ہے۔ انبیا اور رسل کی بعثت کا مقصد انسانوں کے سامنے اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کا ایک عملی نمونہ پیش کرنا ہوتا ہے، اور یہ بات انسان کے ذریعے ہی پوری ہوسکتی ہے، ان کا ملائکہ اور جنات چوں کہ انسان کے ہم جنس نہیں ہیں، اس لیے نہ وہ نمونہ بن سکتے ہیں اور نہ وہ نمونہ انسانوں پر مؤثر ہوسکتا ہے۔

کفار ومشرکین کے انہی عالم گم راہ نظر کا یہ شاخسانہ تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر متعدد ازواج اور اولاد کا مسئلہ لے کر معترض رہے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ط (۱)

اور (اے رسول) بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بہت سے) پیغمبروں کو بھیجا اور ہم نے ان کے لیے بیویاں بھی بنائیں اور اولاد بھی۔

چناں چہ حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام سب کے بیویاں اور بچے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان میں سے ایک ہیں، ان سے علیحدہ نہیں ہیں، اور شادی زہد وتقوے اور منصب نبوت ورسالت کے منافی بھی نہیں ہے، بل کہ یہ بات زہد وتقوے کے منافی ہے کہ کوئی شخص کھانے پینے کی مباح اشیا میں بہت زیادہ توسع اختیار کرے اور یہ بات تو سب کے علم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ قدر کفاف زندگی بسر فرمایا کرتے تھے، مہینوں گزر جاتے کہ آپ کے گھر چولہا نہ جلتا تھا، فقط کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا تھا اور فاقوں کی نوبت بھی آتی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ کے پاس جو مال غنیمت آتا آپ اسے تقسیم فرما دیتے اور خود بھوکے رہتے کوئی سائل آتا تو جو کچھ ہوتا اس کو دے دیتے اور کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر اس کی دادرسی کرتے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دار فانی سے چلے گئے تو اس چھوٹے سے گھر کے علاوہ آپ کے پاس ایک کچی اینٹ بھی نہ تھی نہ

۱۔ الرعد: ۳۸

درہم و دینار کے نام پر کوئی اثاثہ تھا بل کہ سیرت طیبہ سے یہ بات تو ملتی ہے کہ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مال آیا اور آپ نے اسے تقسیم فرما دیا اور اس میں سے چند سکے بچے ہوئے رہ گئے اور آپ کو وہ دینا یاد نہ رہا تو رات بھر آپ کو نیند نہ آئی آپ رات گئے تک کروٹیں بدلتے رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے رہے کہ اے عائشہ! مجھے کیا ہو گیا ہے پھر آپ کو وہ سکے یاد آئے تو آپ نے انہیں مستحقین کے گھر بھجوا دیے اور فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اپنے رب کے ساتھ کیا گمان ہوگا اگر وہ اس حال میں رات گزارے کہ اس کے گھر میں درہم ہوں؟ اس کے بعد آپ کو نیند آئی۔ کیا زہد و تقوے کی کوئی ایسی مثال ہے جو آپ ﷺ کے اس معمول جیسی ہو، سبحان اللہ!

مشرکین و کفار اور اہل کتاب نے یہ کہا کہ اگر یہ رسول ہوتے تو ہم جس کا ان سے مطالبہ کر رہے ہیں یہ اسے لے آتے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ آیات و احکام و معجزات یا پھر جو کچھ بھی تم طلب کرتے ہو یہ باتیں نبی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی ہیں بل کہ ہر نبی اور رسول اللہ کے حکم کے تابع ہوا کرتا ہے، کیوں کہ نبی اللہ کے بندے ہوتے ہیں، وہ اس کے ارادے اور حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اگر یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہوتے تو ان کے جھٹلانے پر اور ان پر ایمان نہ لانے پر ہم پر عذاب آ جاتا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمادیا کہ ہر چیز کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں ایک وقت مقرر ہے۔ طے شدہ وقت سے پل بھر آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ انسان کی زندگی موت روزی و معاش سعادت و مستقاوت سزا جزا سب مقرر ہیں اسی طرح احکام الٰہی بھی طے شدہ ہیں ان میں سے کسی کو رد و بدل کا اختیار نہیں، مگر تم عذاب چاہتے ہو تو جب وہ مدت پوری ہوگی تو وہ عذاب بھی آ جائے جیسا کہ جنگ بدر میں جنگ خیبر میں آیا لیکن تمہاری طلب و خواہش پر نہیں پھر انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر یہ نبی ہوتے تو یہ تورات و انجیل کے احکامات کو منسوخ نہ کرتے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ (۱)

۱۔ الرعد: ۳۹

اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) ثبت فرما دیتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) ہے۔

ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جو ان تمام کتابوں پر مشتمل ہے جن کا ذکر کیا گیا ہے اور اس میں ان کے تمام احکام موجود ہیں جو ثابت ہیں وہ بھی موجود ہیں اور جو مٹا دیے گئے ہیں وہ بھی۔ اس میں ترمیم یا ردوبدل نہیں ہوسکتی متعدد احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ علم الکتاب سے مراد تقدیر مبرم کا ہے۔

یہ بھی قرآن مجید میں فرمایا:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ (۱)

بل کہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے جو لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔

تو یہ چار آیات ہیں جن کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفار کے شبہات اور دعوؤں کا رد فرمایا ہے، اس کے بعد پانچویں دعوے کا رد فرمایا ہے ارشاد ہے:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝ (۲)

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ آپ پیغمبر نہیں ہیں فرما دیجیے (میری رسالت پر) میرے اور تمہارے درمیان اللہ بہ طور گواہ کافی ہے اور وہ شخص بھی جس کے پاس (صحیح طور پر آسمانی) کتاب کا علم ہے۔

اس میں منصف مزاج یہود و نصاریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ تفصیل ہمیں آگاہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کے بارے میں شبہات و جھوٹے دعوؤں کے رد کا کتنا زیادہ خیال ہے اور یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی اور نبی اور رسول کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس میں حق و باطل کی آمیزش کے نزاعی نکتے کو واضح کیا جا رہا ہے۔ یعنی آپ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں اور لوگ اس کے منکر ہیں اور جو شخص

۱۔ البروج: ۲۱۔۲۲

۲۔ الرعد: ۴۳

واقعتاً آسمانی کتابوں کے علوم سے بہرہ ور ہے وہ اس بات کی شہادت دے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات گزشتہ انبیاورسل کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔

سورت الحجر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (۱)

بے شک یہ ذکر (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور یقیناً ہم بھی اس کی حفاظت کریں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمے داری خود لی ہے اس میں نہ تو کوئی تحریف ہوسکتی ہے اور نہ ہی کوئی تغیر وتبدل اور نہ ہی کہیں کوئی کمی وبیشی کی جاسکتی ہے، یہ کتاب تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی ہے ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ یہ کتاب مقدس قرآن مجید فرقان حمید سعادتوں کا مصدر علوم کا مظہر معرفت کا سرچشمہ گم کردہ راہوں کے لیے رہبر ورہ نما بھٹکے ہوؤں کا سہارا ہے، اس کتاب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزے کی سرمدیت ابدیت اور آپ کی شریعت کے دوام کا ذکر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی عظمت وبزرگی اور تکریم کا بیان ہے، اب یہ بات کہ جب قرآن مجید فرقان حمید کا محافظ اللہ بزرگ و برتر ہے تو ابتدا سے لے کر اب تک اس کی حفاظت کے انتظام وانصرام کیوں کیے جارہے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ انتظام بھی حفاظت خداوندی میں شامل ہیں، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کی حفاظت یعنی یہ نہیں ہے کہ اللہ عزوجل خود قرآن مجید یاد کریں گے، یا اس کی حفاظت کے لیے پہرہ داری کریں گے، بل کہ حفاظت خداوندی کا معنی یہ ہے کہ اس کی حفاظت کے اسباب وسامان مہیا کرنا اور اس کے حفظ کی توفیق عطا فرمانا ہے اس طرح کسی بھی شخص کا حفظ قرآن کرنا جب بتوفیق اللہ ہوا تو وہ اللہ ہی کا حفظ کرنا ہے گویا اصلاً حافظ قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، پھر اس کے بندے اس کے حافظ ہوئے لیکن اگر حفاظت کے یہ تمام

۱۔ الحجر:۹

اسباب وسامان اگر دنیا کی کسی اور کتاب کو میسر ہو جائیں تب بھی ہو اس طرح محفوظ نہ ہو سکے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی یہ کتاب قرآن مجید کی بے مثال و لاجواب وضاحت و بلاغت تو اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں، مگر اس میں کمی وبیشی نہ ہونے کو تو ایک عام اور ان پڑھ شخص بھی سمجھ سکتا ہے جو قرآن مجید کا کھلم کھلا اعجاز ہے۔

مثال کے طور پر تورات کی حفاظت کی ذمے داری اللہ تبارک وتعالیٰ نے علمائے یہود کے سپرد کی جیسا کہ سورت مائدہ میں ذکر ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ (۱)

بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا اس کے مطابق انبیا جو (اللہ کے) فرماں بردار (بندے) مجھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے اور اللہ والے (یعنی ان کے اولیا) اور علما (بھی اسی کے مطابق فیصلے کرتے رہے) اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس پر نگہبان (وگواہ) تھے۔

چناں چہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی ایسی کتاب ہے ہی نہیں جو کسی قسم کی تحریف سے پاک ہو۔

تنبیہ

حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت پر استدلال کیا ہے اور وہ استدلال بالکل درست ہے، اس لیے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قرآن مجید کی طرح وحی ہے، ہاں البتہ وہ وحی غیر متلو ہے اور اس میں قرآن مجید کے احکام ومعانی کی توضیح وتفصیل ہے۔ جو لوگ دنیا کو اس مغالطے اور غلط فہمی میں ڈالتے ہیں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذخیرہ مستند کتب میں ہونے کے باوجود اس لیے محفوظ و معتبر نہیں کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت بعد میں مدون ومرتب ہوا وہ سراسر

۱۔ المائدہ: ۴۴

دھوکے اور فریب میں مبتلا ہیں، کیوں کہ اول تو کتابت حدیث اور تدوین حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نبی کی موجودگی ہی میں آپ کے سامنے شروع ہو چکی تھی، اس کی تکمیل بعد میں ہوئی دوسرے یہ کہ جب احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الحقیقت قرآن مجید معانی اور اس کی تعبیرات ہیں تو قرآن مجید کی طرح ان کا محفوظ ہونا بھی انتہائی ناگزیر ہے اور یہ ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (۱)

اور (اے نبی مکرم) ہم نے آپ کی طرف ذکر عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لیے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تا کہ وہ غور وفکر کریں۔

اور یہ بات بھی نہایت ضروری ہے کہ جس طرح وضاحت کردہ محفوظ ہو بالکل اسی طرح وضاحت کنندہ بھی محفوظ ہو، چناں چہ اللہ عزوجل نے حفاظت حدیث کے لیے ایسے رجال کار فراہم کر دیے کہ جنہوں نے احادیث کو حفظ کیا، لکھ کر محفوظ کیا اور آگے پہنچایا، وہ کسی حدیث کو اس وقت تک صحیح نہ کہتے جب تک وہ نقد وتمحیص کے مراحل سے گزر نہ جاتی تھی وہ ایک ایک راوی کو عدالت ونقاہت کے معیارات پر پرکھتے یہ دیکھا جاتا، کہ ہر راوی نے بالمشافہ یہ حدیث شیخ سے سنی ہے یا نہیں، متن میں کوئی نکارت تو نہیں ہے اور اس میں کوئی علت وشذوذ تو نہیں پایا جا رہا ہے، اگر اس میں ذرا سا بھی شک وشبہ ہوتا تو اس پر ضعف، منکر، یا موضوع ہونے کا حکم لگاتے اور حدیث کے سلسلے میں ان کی احتیاط اور باریک بینی کا عالم یہ تھا کہ صحیح حدیث کے کسی کلمے پر بھی انہوں نے وضع کا حکم لگایا جو بعد میں بڑھا دیا گیا ہو جیسا کہ حدیث ہے:

طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة

اس روایت میں محدثین نے مسلمۃ کے لفظ کو موضوع قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی بحث وتحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہیں ہے۔

۱۔ النحل: ۴۴

اس طرح ایک اور حدیث

حبب الی من دنیا کم ثلاث الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ

میں لفظ ''ثلاث'' کو محدثین نے موضوع کہا ہے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں لیکن انہیں وہی سمجھ سکتا ہے جو ماہر علوم حدیث ہے اور جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے خادمین علوم حدیث میں جگہ نصیب فرمائے، (آمین)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۷۲﴾ (۱)

(اے حبیب مکرم) آپ کی عمر مبارک کی قسم بے شک یہ لوگ اپنی بدمستی میں سرگرداں پھر رہے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کی قسم کھائی ہے اور آپ کے علاوہ کسی نبی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی نہ ہی کسی اور نبی اور رسول کی اور نہ ہی کسی فرشتے کی عمر کی، اس قسم کھانے میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں آپ سے زیادہ کوئی معزز ومشرف نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسی رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی عمر مبارک اس قسم کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی حیات طیبہ کی قسم! اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زیادہ کسی کو معزز ومحترم پیدا نہیں کیا اور آپ کے سوا کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔ قرآن مجید میں جن چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں ان سے ان چیزوں کا نافع ہونا اور قدرت الٰہی کا نمونہ بیان ہے۔ لیکن کسی چیز کی تعظیم وتکریم، اللہ تعالیٰ کے برابر کرنا شرک ہے اور لوگوں کی قسم کھانے میں اس کا شائبہ اور احتمال ہوسکتا ہے، اس لیے کسی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

۱۔ الحجر: ۷۲

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ خطاب حضرت لوط علیہ السلام سے ہے کہ فرشتوں نے کہا کہ تیری عمر کی قسم یہ لوگ نشے میں مدہوش ہیں اور فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی عمر کی قسم کھائی ہے، لیکن قول بہت ضعیف ہے۔

ابن قیم نے اپنی کتاب ''اقسام القرآن'' میں اس کا بہترین انداز سے رد کیا ہے۔ اس قول کے ضعف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں حذف ماننا پڑتا ہے۔ جب کہ حذف کا نہ ماننا اولیٰ ہوتا ہے۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ اگر قرآن مجید کی کسی بات میں اس کا احتمال ہو وہ اللہ کا کلام ہے یا کسی نبی یا فرشتے کا قول نقل کیا گیا ہے تو واجب ہے کہ اسے پہلی صورت پر محمول کیا جائے اور دوسری صورت کی طرف محمول کرنے کے لیے قوی دلیل کی ضرورت ہے۔ پھر یہ کہ اس قسم کو اس طرح دیکھا جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مخلوقات میں سب سے افضل ذریعہ تکریم اور احترام کر رہا ہے جیسا کہ اس نے دیگر مخلوقات کی قسم کھائی ہے اس میں بہت سی حکمتیں اور فوائد و منافع ہیں لہٰذا فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کی زندگی کی قسم کھانے کا دعویٰ کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ اس بات کا دعویٰ کرنے والے کہاں سے آئے ہیں۔ جب کہ اس کے بارے میں کوئی حدیث یا اثر بھی مروی نہیں پھر یہ سب تفصیلات تو اس وقت ہوں جب کہ یہ بات ثابت بھی تو ہو کہ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی عمر کی قسم کھائی ہے۔ اور یہ بات کہی بھی منقول نہیں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے چاند سورج چاشت کے وقت دن رات اور ان جیسی کئی چیزوں کی قسم کھائی ہے تو کیا اس سے زیر بحث آیت میں قسم کی اہمیت پر کچھ فرق پڑتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے ان مذکورہ اشیا اور ان کے علاوہ بعض ماکولات شہروں اور زمانوں کی قسم بھی کھائی ہے، تاکہ اپنی قدرت کاملہ اور اپنے فضل وکرم اور احسان پر استدلال کرے کہ اس نے یہ مخلوقات ہی ہمارے فائدے اور نفع کے لیے مسخر کردی ہے۔ اور ہمارے فائدے اور منافع کے لیے ان کو ایجاد کیا ہے۔

چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿٣٢﴾
وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ

وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ (۱)

اور اس نے تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کر دیا، تا کہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی رہیں اور اس نے تمہارے لیے دریاؤں کو بھی مسخر کر دیا اور اس نے تمہارے فائدے کے لیے سورج اور چاند کو (باقاعدہ ایک نظام کا) مطیع بنا دیا جو ہمیشہ (اپنے اپنے مدار میں) گردش کرتے رہتے ہیں اور تمہارے (نظام حیات) کے لیے رات اور دن کو بھی (ایک نظام کے) تابع کر دیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ (۲)

اور اس نے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے۔

اسی انداز ہ بہت سی آیات قرآن مجید میں ہیں:

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قسم کے ذریعے اپنی نعمتوں کو یاد دلا رہا ہے۔ جب کہ زیر بحث قسم جو مقسم بہ کی تعظیم وتوقیر کا تقاضا کرتی ہے، یا تو اللہ کی کھائی جاسکتی ہے۔ یا اس کی کسی صفت کی مثلاً:

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷﴾ (۳)

فرما دیجیے کیوں نہیں میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہیں بتایا جائے گا جو کچھ تم نے کیا تھا اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

اور مثلاً:

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿۱﴾ (۴)

۱۔ ابراہیم: ۳۲۔۳۳

۲۔ الجاثیہ: ۱۳

۳۔ التغابن: ۷

۴۔ ق: ۱

ق، قسم ہے قرآن مجید کی۔

. یہاں یہی مراد ہے یعنی بلاشبہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیر و بھلائی اور رحم و کرم سے معمور زندگی کی قسم کھا کر آپ کی تعظیم و تکریم فرمائی، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ ایسی ہی ہے کہ آپ نے دنیا کو کفر و شرک، ظلم و جبر، جہل و انتشار و اختراق کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر اسے علم و عرفان، توحید و نبوت، عدل و انصاف اور نظم و ضبط کی طرف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ عزوجل کا حق اطاعت اور حق تبلیغ و دعوت ادا کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افراد پر محنت کی ان کی تعلیم و تربیت فرمائی، جمعیت کی بنیاد رکھی نفوس کا تزکیہ کر کے ان کو نفع میں قدسیہ بنا دیا اور ان کا کردار بنایا ان کو اخلاقیات کا درس دیا۔ اس لیے اس میں کوئی حرج ہی نہیں کہ اللہ عزوجل آپ کا آقا آپ کا مولیٰ آپ کا رب آپ کا خصوصی اکرام کرے۔ اسی لیے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سے استنباط فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے قسم منعقد ہو جائے گی لیکن اس میں کفارہ واجب ہوگا۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کریم پر اپنے احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ (۱)

اور بے شک ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں (یعنی سورت فاتحہ) اور بڑی عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔

اگر اس آیت مبارکہ کو دیکھیں تو اس میں بھی ایک ایسا شرف و کرم ہے جو دیگر انبیا رسل کو دیے گئے شروف و کرم سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس میں سورت فاتحہ کو علیحدہ سے ذکر کیا گیا ہے حال آں کہ وہ بھی قرآن مجید کا حصہ ہے قرآن مجید میں شامل ہے لیکن وہ خصوصی اہمیت و فضیلت کی حامل ہے اس لیے اس انداز سے ذکر کیا کہ اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی شان و فضل کا اظہار ہو صرف عطا کر دینا بھی کافی تھا کہ وہ اجمالی طور پر قرآن کریم کے من جملہ معانی و مفاہیم پر حاوی ہے، جیسا کہ ہم نے اسے اپنی کتاب ''جواہر البیان فی تناسب

۱۔ الحجر: ۸۷

سور القرآن'' میں مفصلاً بیان کر دیا ہے۔ ابتدائی زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خفیہ طور پر دعوت اسلام دیتے تھے اور ایمان لانے والوں کو بھی اپنے ایمان کو ظاہر نہ کرنے کا حکم دیتے تھے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو کھل کر دعوت تبلیغ کا حکم دیا۔ ارشاد ہوا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ (۱)

پس آپ وہ باتیں علانیہ کہہ ڈالیں جن کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور آپ مشرکوں سے منہ پھیر لیجیے۔

اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو علانیہ دعوت دینی شروع کی پہلے پہل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ عبادت وتلاوت بھی چھپ چھپ کر کیا کرتے تھے اور دعوت وتبلیغ کا کام بھی مخفی طور پر ایک ایک دو دو کو اور شناسا لوگوں کو کرتے تھے، کیوں کہ ایذا رسانی کا خطرہ تھا، لیکن اس آیت میں اللہ عزوجل نے کفار کی ایذا رسانی اور استہزا وتمسخر سے حفاظت کی ذمے داری لے لی۔ یعنی اے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب آپ بے فکری سے علانیہ طور پر عبادت وتلاوت بھی کریں اور دعوت وتبلیغ کا کام بھی کھل کر سرانجام دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ (۲)

بے شک مذاق اڑانے والوں (کو انجام تک پہنچانے) کے لیے ہم آپ کو کافی ہیں۔

چناں چہ عاص ابن وائل، اسود ابن عبد المطلب، اسوا ابن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، حارث بن طلاطلہ۔ حر بن قیس وغیرہ یہ شر پسندوں کے سرغنہ تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استہزا کرتے مذاق اڑاتے تھے۔ وحی کے ذریعے دھمکی کا اس طرح ظہور ہوا کہ ہر ایک کو ایسی ایسی بیماری لاحق ہوئی، جس سے وہ بری طرح واصل جہنم ہوئے اور قریب قریب سب ہلاک ہو گئے۔

ان آیات میں سزا کے بعض مضامین سے بہ ظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا سزایاب ہونا چاہتے تھے، حال آں کہ یہ بات آپ کی رحمت وشفقت ورافت کے

۱۔ الحجر: ۹۴

۲۔ الحجر: ۹۵

منافی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا ان کے لیے سزا چاہنا کچھ اپنی فطری اور مزاج کے لیے ہرگز نہ تھا کہ خلاف شفقت و رحمت ہونے کا اشکال ہو بل کہ بغض فی اللہ کا یہ اثر تھا ان کی شرارتوں کے باوجود آپ ان کی ہدایت کے لیے مسلسل کوشاں رہے، لیکن شفقت و رحمت کے معنی یہ نہیں ہے کہ کفر و شرک کے ہوتے ہوئے بھی آپ ان کی بخشش اور مغفرت کے خواہاں ہوتے۔

یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

وکفاہ المستھزئین وکم ساء

نبینا من قومہٖ استھزاء

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہوگیا جب کہ آپ سے پہلے کتنے ہی انبیا علیہم السلام کا مذاق اڑایا گیا اور انہیں تکلیف دی گئی۔

سورۃ النحل

ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝۴۴ (۱)

اور (اے نبی مکرم) ہم نے آپ کی طرف ذکر عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کردیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید کی توضیح و تفسیر کرنے اور اس کے احکامات کی تشریح اور اس کے مجمل معانی کی تفسیر اور اشارت توضیح و تفہیم کی ذمے داری عطا فرمائی۔ یہ آیت مبارکہ بدعتوں کی بدعات کا ابطال کرتی ہے جو قرآن مجید کے مبہم کی توضیح و

۱۔ النحل: ۴۴

تفسیر اور مجمل کی تشریح میں وارد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو قبول نہیں کرتے۔

جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ (۱)

اور (قرب قیامت نزول مسیح علیہ السلام کے وقت) اہل کتاب میں سے کوئی (فرد یا فرقہ) نہ رہے گا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ضرور (صحیح طریقے سے) ایمان لے آئے گا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعے کے ضمن میں ''عبد'' کی تعیین کے سلسلے میں انہوں نے روایات کو جھٹلایا ہے، اور پھر اسی طرح

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ (۲)

اور بے شک انہوں نے تو اس (جلوۂ حق) کو دوسری مرتبہ پھر دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے قریب

اس میں جس رؤیت کا ذکر ہے یعنی وہ معراج کی رات حالت بیداری کو رؤیت ہے۔ اس بارے میں مذکورہ روایات کو بھی انہوں نے جھٹلایا ہے جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اگر تبیین قرآن کی ذمے داری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد نہ بھی کی ہوتی تب بھی آپ کے بیان کی اتباع واطاعت انتہائی ضروری تھی، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کے معانی ومفاہیم کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، اس لیے وہ آپ پر ہی تو نازل ہوا تھا بل کہ علمائے اسلام نے تو اس بات کو بھی واجب قرار دیا ہے کہ تفسیر قرآن کریم میں اصحاب کرام کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے، اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ نزول قرآن مجید کے گواہوں اور حاضرین میں سے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ

۱۔ النساء: ۱۵۹

۲۔ النجم: ۱۳۔۱۴

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ (۱)

اور ہم نے آپ کی طرف کتاب نہیں اتاری، مگر اس لیے کہ آپ ان پر وہ امور واضح کر دیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور (اس لیے کہ یہ کتاب) ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان لے آئی ہے۔

یہ آیت سابقہ مذکورہ آیت کی تاکید و تائید کرتی ہے، یہ دونوں آیات دین متین کے امور اور اصول و فروع میں آپ ﷺ کی طرف رجوع کو واجب قرار دیتی ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

اس کتاب ہدایت قرآن مجید فرقان حمید کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونا ایسا ہی ہے کہ جیسے رحمت کی بارش کا نزول، مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے، یہ کتاب مردہ دلوں کو زندگی بخش دیتی ہے اب وہ لوگ عقل کے اندھے ہیں جو اس نعمت عظمیٰ کے آجانے کے بعد بھی اپنی پچھلی جہالت والی حالت ہی کو ترجیح دے رہے ہیں تو وہ ذلت و رسوائی کے سوا کوئی اور انجام دیکھنے والے نہیں ہیں اب سیدھا راستہ وہی پائے گا اور وہی برکتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہوگا جو اس کتاب مبین پر ایمان لے آئے گا۔

کفار و مشرکین نے جن شبہات و شکوک کی بنیاد پر قرآن مجید کے من گھڑت ہونے کا جو دعویٰ کیا تھا ان میں سے ایک وجہ اس میں ناسخ و منسوخ کا پایا جانا بھی تھا۔ اس لیے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی جہالت کو بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ (۲)

اور جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ وہ نازل فرماتا ہے تو کفار کہتے ہیں کہ آپ تو بس اپنی طرف سے گھڑنے والے ہیں بل کہ ان میں سے اکثر لوگ (آیتوں کے اتارنے اور

۱۔ النحل: ۶۴

۲۔ النحل: ۱۰۱

بدلنے کی حکمت) نہیں جانتے۔

یہ جاہل لوگ قرآن مجید کی حقیقت اور اس کی حقانیت اور نسخ کے فوائد ومنافع سے آگاہ ہی نہیں ہیں، اس لیے کہ نسخ میں مکلف کا فائدہ ہوتا ہے یا پھر اخف سے تخفیف کا حکم دینے میں یا اخف سے اشد میں ثواب کے بڑھ جانے کا فائدہ ہوتا ہے اور پھر ان میں سے ''اکثر'' کا لفظ لاکر یہ بتانا مقصود ہے کہ تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو قرآن مجید فرقان حمید کے برحق ہونے سے واقف وآگاہ ہیں پھر اگر یہ اپنی سرکشی کی وجہ سے انکار کرتے ہیں تو ان میں دو طرح کے لوگ ہیں کچھ تو ناواقف ہیں اور کچھ سرکش ہیں، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے دعوے کا ابطال کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ (۱)

فرمادیجیے اس قرآن کو روح القدس (جبریل علیہ السلام) نے آپ کے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ اتارا ہے، تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور یہ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔

روح القدس کے معنی پاکیزہ روح کے ہیں، یہ حضرت جبریل کا لقب ہے۔ اور نام کے بہ جائے لقب استعمال کرنے میں اشارہ ہے کہ کلام ربانی لانے میں روح بھی بشری عیوب و نقائص سے پاک وصاف ہے۔ نہ وہ خائن ہے اور نہ کذاب ومفتری کہ وہ فوراً کوئی بات اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ کے نام سے بیان کردے وہ نہ بدطینت ہے اور نہ بدنیت، کہ اپنی کسی نفسانی خواہشات یا اغراض ومقاصد کی بنا دھوکا اور فریب سے کام لے وہ سراپا ایک مقدس روح ہے جو اللہ کا کلام پورے دیانت وامانت کے ساتھ لاکر پہنچاتی ہے اور تنزیل میں حکمت یہ ہے کہ جب جب حکمت الٰہی نے یہ چاہا کہ روح القدس اس کو تھوڑا تھوڑا کرکے لائیں یا کبھی اجمالو سے کلام چلایا جائے یا کبھی تفصیل سے کبھی ایک پیرائے میں بات سمجھائی جائے کبھی دوسرے انداز سے اور کبھی دوسرے طریقے سے ایک ہی بات مختلف انداز سے ذہن نشین

۱۔ النحل: ۱۰۲

کرائی جائے، تاکہ مختلف قابلیتوں، صلاحیتوں اور اہلیت و استعداد کے طالبان حق ایمان لاسکیں اور پھر علم ویقین اور فہم وادراک میں پختہ کار ہوسکیں اور انسانی احوال کی تبدیلی اگر احکام کی تبدیلی اور نسخ کے متقاضی ہو تو اس کو بھی روبہ عمل لایا جائے۔

قران مجید کی تکذیب کے لیے کفار ومشرکین نے یہ دلیل بھی دی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایک رومی عیسائی حداد (لوہار) سے لیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس جاتے تھے اور وہ قرآن مجید گھڑ کر آپ کو دیتا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ (۱)

اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ (کفار ومشرکین) کہتے ہیں کہ انہیں یہ (قرآن) محض کوئی آدمی ہی سکھاتا ہے جس شخص کی طرف وہ بات کو حق سے ہٹاتے ہوئے منسوب کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ قرآن واضح وروشن عربی زبان میں ہے۔

روایات میں مختلف نام آئے ہیں جن کے بارے میں کفار مکہ کو یہ گمان تھا کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کریم کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایک روایت میں لیسار کا نام آتا ہے۔ جس کی کنیت ابوفکیہ تھی جو مکے کی ایک عورت کا یہودی غلام تھا، ایک روایت میں بلعان یا بلعام یا مقیس نامی ایک رومی غلام کا نام بھی آتا ہے۔ بہ حال ان میں سے کوئی بھی ہو کفار مکہ نے محض یہ دیکھ کر کہ یہ شخص تورات وانجیل پڑھتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ملنا جلنا ہے، بلا تامل یہ الزام گھڑ دیا کہ دراصل وہ شخص قرآن مجید تصنیف کر کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے رہا ہے قرآن دراصل نام ہے الفاظ ومعنی کے مجموعے کا یہ معاندین ومعترضین اگر قرآن مجید کے معارف معانی سے نابلد ہیں تو کم از کم عربی زبان کی معیاری وضاحت و بلاغت سے تو ناواقف نہیں ہیں، انہیں اتنی سی بات تو سمجھنی چاہیے تھی کہ بالفرض اگر اس شخص نے

۱۔ النحل: ۱۰۳

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معانی سکھا بھی دیے ہوں تو کلام کے الفاظ میں ایسی ندرت اور فصاحت و بلاغت کہاں سے آ گئی، جس کا مقابلہ کرنے سے پورا جزیرۃ العرب عاجز ہے۔

لیکن اگر یہ کہا جائے کہ مضمون تو اس شخص کا ہوگا مگر عبارت آپ بنا لیتے ہوں گے تو قرآن مجید فرقان حمید نے بارہا اس کا جواب بھی دیا ہے کہ بہ قول تمہارے اگر یہ قرآن کریم کلام محمد ہے تو تم بھی انسان ہو اور تم میں سے ہر ایک فصاحت و بلاغت کا دعویٰ رکھتا ہے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں زیادہ فصاحت و بلاغت کے مدعی بھی ہو اور تم نے ان کا مقابلے کرنے اور ان کی مخالفت میں اپنا جان و مال لگا رکھا ہے۔ مگر فصاحت و بلاغت کے مقابلہ میں تمہاری حیثیت ایک عاجز محض کی سی کیوں ہو جاتی ہے، تم ایک عجمی غلام کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معلم بتا رہے ہو معلوم ہوا کہ مفتری تم لوگ ہو اللہ کے نبی مفتری نہیں ہیں۔ لیکن قد سے اس جانب اشارہ ہو رہا ہے کہ اس قول کے کہنے والے کم ہیں اس تفصیل و وضاحت سے ہمارے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع کا خود ذمہ لیا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کا آپ کی جانب خصوصی التفات کا اشارہ بھی ملتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٠٥﴾ (۱)

بے شک جھوٹی افترا پردازی بھی وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

ان دونوں جملوں میں کئی تاکیدات ہیں: انما حصر کا فائدہ دیتا ہے، اور دوسرے جملے میں مبتدا اور خبر دونوں کو معرفہ لانا پھر ضمیر فصل اور اسم اشارہ بعید سے ان کی حقارت کی طرف اشارہ کرنا، یہ تمام تاکیدیں ان کے اس قول کو کہ ''کہ تم نے اس (قرآن) کو گڑھ لیا ہے'' رد کرنے کے لیے ہیں۔

۱۔ النحل: ۱۰۵

سورۃ الاسرا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عظیم اور بڑے معجزے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①(۱)

وہ ذات (ہر نقص اور کم زوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرب) بندے کو مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد ونواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں لیلا کو نکرہ لانے میں وقت کی قلت کی طرف اشارہ ہے اور یہ آیت اس بات کی بین دلیل ہے کہ معراج بہ حالت بیداری ہوئی تھی نہ کہ منامی، وہ نہ کوئی روحانی سفر تھا نہ خواب تھا، بل کہ وہ جسمانی سفر تھا۔

اس پر کئی دلائل پیش خدمت ہیں:

۱۔ تسبح سبحان کے لفظ سے آیت کی ابتدا کرنا، جو اہم ومہم بڑے امور اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرنے والے خوارق عادات وواقعات پر بولا جاتا ہے چوں کہ یہ زمینی اور آسمانی سفر پورا کا پورا نہایت عجائب وغرائب سے لب ریز تھا اور سواری براق کی برق رفتاری بھی حیرت ناک تھی جو ممکن ہے کہ بہت لوگوں کے لیے انکار کا سبب ہو اس لیے ابتدا لفظ سبحان لاکر ان کا استعجاب دور کر دیا گیا۔

۲۔ اسریٰ کا لفظ انتقال جسمانی کی تصریح کرتا ہے، اسرارات کے وقت چلنے کو کہتے ہیں، پھر یہاں بہ طور تجرید مطلق چلنے کے معنی لیے جائیں، تاکہ لفظ لیلا زائد نہ رہے اور اس کے

۱۔ بنی اسرائیل: ۱

لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ طویل ترین سفر جسمانی سفر ساری رات جاری نہیں رہا بل کہ یہ قدرت الٰہی کی کرشمہ سازی تھی کہ اس قادر مطلق نے یہ سارا سفر رات کے کچھ حصہ میں طے کرا دیا۔ یہ جسمانی سفر تھا۔ اگر معراج روحانی یا منامی ہوتی تو أرٰی کا لفظ آتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ (۱)

بے شک اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حقیقت کے عین مطابق سچا خواب دکھایا تھا۔

جو آپ نے حدیبیہ کی جانب نکلنے سے پہلے دیکھا تھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو خواب قرار دیا اور اس کو اسرا نہیں کہا۔ اس وجہ سے کہ یہ خواب ہی میں پیش آیا تھا۔ اسی طرح غزوۂ بدر کے بارے میں

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ (۲)

(کے لشکر) کو تھوڑا کر کے دکھایا تھا۔

اس میں اریٰ کا لفظ آیا۔ لہٰذا اس آیت میں اسرا کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ سفر خواب میں ہرگز نہیں ہوا تھا بل کہ بہ حالت بے داری پیش آیا تھا۔

۳۔ عبد سے مراد وہ جسمانی ذات وشخصیت ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے احادیث متواترہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ''عبد'' ابہام الوہیت سے بچانے کے لیے لایا گیا۔ اس سے مقام عبرت کی رفعت وعظمت بھی واضح ہوتی ہے۔

۴۔ لیلا کا لفظ اس لیے لایا گیا ہے کہ تا کہ یہ معجزہ پر دلالت کرے، کیوں کہ مکہ مکرمہ اور بیت المقدس کے درمیان ایک طویل فاصلہ تھا جسے اونٹ پر اہل مکہ کم وبیش ایک ماہ میں طے کرتے تھے۔ تو اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسمانی طور پر رات کے کچھ حصے میں یہ فاصلہ طے کر لیا تو یہ آپ کا ایسا عظیم معجزہ تھا جو قابل تعریف اور تاریخ میں درج کیے

۱۔ الفتح: ۲۷

۲۔ الانفال: ۴۳

جانے کے قابل ہے۔

۵۔**لنریه من ایتنا** اسی وقت کہا جائے گا جب حالت بیداری میں رؤیت حقیقی ہو اور اگر روحانی یا منامی رؤیت ہوگی تو قید کے ساتھ ذکر کیا جائے گا، جیسے یہ آیت **اذیریکھم اللہ فی منامك قلیلا** میں ہے۔ اور ’’من تبعیضیہ میں اشارہ ہے کہ آپ نے بہت سی آیات قدرت ملاحظہ فرمائیں۔

۶۔**انه هو السمیع البصیر** میں اگر ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے، جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے تو اس جملے کا لانا یہاں یہ بتا رہا ہے کہ معراج کے اس معجزاتی سفر میں جس سے لوگ کبھی آشنا نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ساتھ ساتھ رہا پھر سمیع اور بصیر ان دو صفات کا لانا کمال توجہ اور مخصوص رعایت کی طرف اشارہ ہے پھر ان آیات کی غائب و حاضر ضمیروں میں التفات ہے جس کا مقصد کلام میں نشاط ہوا کرتا ہے نیز اسرا کے بعد قرب الٰہی کے اضافے طرف بھی اشارہ ہے، کیوں کہ قرب کے وقت اصل صیغہ متکلم کا ہوا کرتا ہے یہاں سمیع اور بصیر خاص طور پر لانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تسلی دینا بھی مقصود ہے کہ نہ صرف آپ پر ہر دم ہماری نظر ہے، بل کہ ہم آپ کے ساتھ ساتھ بھی ہیں اور آپ کے مخالفین کے حالات سے بھی بے خبر نہیں ہیں اس لیے آپ بے فکر رہیں اور بے خوف و خطر اپنے فرائض سرانجام دیں۔

ہم نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام سے بھی کہا تھا:

لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ﴿۴۶﴾ (۱)

تم دونوں نہ ڈرو بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں (سب کچھ) سنتا اور دیکھتا ہوں۔

اور اگر ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے، جیسا کہ ایک قول ہے تو اس جملے کو لانے کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو سن رہے تھے جو آپ کی طرف القا کیا گیا تھا۔ اور ان نشانیوں کو دیکھ رہے تھے جو آپ کو دکھائی گئی تھیں۔ اس سے نہ آپ کی آنکھیں چندھیائیں اور نہ ہی آپ کی عقل پر مدہوشی چھائی۔ اسی معراج نبوی کی

۱۔ طہٰ:۴۶

جانب اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ (۱)

ان کی آنکھ نہ کسی اوطرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔

۷۔ اہل مکہ جو عرب کے فصحا اور بلغا تھے، اسرا سے اس کے معروف لغوی معنیٰ ہی سمجھے، اسی لیے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب بھی کی تھی جب آپ نے انہیں معراج کی خبر سنائی تھی ان کے نزدیک یہ بات نا قابل قبول تھی اور انہوں نے بہ غرض امتحان آپ سے بیت المقدس کے حال احوال پوچھے، اس لیے بھی کہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پہلے وہاں نہیں گئے تھے، بل کہ بعض مسلمان اسلام سے منحرف ہو گئے، اس لیے کہ جب انہوں نے اس معجزے کے بارے میں سنا تو ان کی عقل اسے قبول نہ کر سکیں اور وہ اس کا انکار کر بیٹھے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ یہ سوچتے کہ محض ایک رات میں اللہ کی قدرت کاملہ کے ساتھ سفر بغیر کسی مادی وسائل کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جانا پھر اس سے آگے کا سفر معجزہ ہے، ممکن اور ناممکن کی بحث صرف اس صورت میں پیدا ہوتی ہے جب کسی مخلوق کے اختیار کے ساتھ یا خود کوئی کام کرنے کا معاملہ زیر بحث ہو، لیکن جب یہ کہا جائے فلاں کام خدائے بزرگ و برتر نے کیا تو پھر قادر مطلق کی قوت کا معاملہ ہے۔ اور اس ضمن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت منقول ہے انہوں نے ایک رات آپ ﷺ کو بستر پر موجود نہیں پایا، تو یہ درس نہیں۔ اس وقت تو ان کی عمر محض چار برس تھی۔ اصل روایت ام ہانی کی ہے، جن کے ہاں آپ سوئے ہوئے تھے۔ (۲) ہونے کا یقین نہ ہوا اور جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ (۳)

۱۔ النجم: ۱۷

۲۔ یہ روایت بھی سنداً و درایتاً درست نہیں۔ مترجم

۳۔ بنی اسرائیل: ۶۰

اور ہم نے تو (شبِ معراج کے) اس نظارے کو جو ہم نے آپ کو دکھایا لوگوں کے لیے صرف ایک آزمائش بنایا ہے (ایمان والے مانگنے اور ظاہر بین الجھ گئے) اور اس درخت (شجرۃ الزقوم) کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔

تو اس میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ معراج خواب میں ہوئی تھی بل کہ اس میں اس کے برعکس دلیل ہے جس کی بہت سی وجوہات ہیں۔

الف: رؤیا آنکھ سے دیکھنے کے لیے ''رائی'' مصدر ہے جسے خواب میں دیکھنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اشتراک لفظی کی وجہ سے اور مشترک لفظ میں قاعدہ یہ ہے کہ کسی ایک معنی کا یقین نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ اس کی کوئی دلیل ہو اور یہاں دلیل یہ ہے کہ یہ دیکھنا کھلی آنکھوں سے دیکھنا تھا۔ لفظ رؤیا بہ معنیٰ رویت ہوسکتا ہے جیسا کہ قربیٰ بہ معنیٰ قرابت آتا ہے۔ مزید یہ کہ رات کے اوقات میں بیداری میں دیکھنے کو بھی تشبیہاً رویا سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ ایسے عجائب وغرائب سے لبریز واقعات تھے گویا کہ جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

ب: اہل مکہ کے لیے آزمائش **فتنة للناس** کے الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ واقعہ معراج ان کے لیے ایک آزمائش اور امتحان ہی تو تھا اور یہ آزمائش اس لیے بھی تھا کہ یہ ایک معجزہ تھا۔ اسی لیے تو کفار مکہ نے یہ کہا تھا کہ ہم تو بیت المقدس ایک ماہ میں پہنچتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ ایک رات میں وہاں پہنچ گئے اور وہاں سے واپس بھی آ گئے، اور اگر یہ منامی بات ہوتی تو ان کے لیے اس میں کوئی آزمائش نہ تھی اس لیے کہ خواب میں کوئی بھی شخص شام، حبشہ، ایران یا کہیں بھی جاسکتا ہے اور کچھ بھی کرسکتا ہے اور واپس آ کر حالات اپنے دوستوں کو سناتا ہے اور کبھی کبھی کسی اہل علم سے اس کی تعبیر پوچھنے بھی چلا جاتا ہے اور اس میں کوئی عجیب بات تصور نہیں کی جاتی۔

ج: **والشجرة الملعونة فی القرآن:** سے مراد زقوم کا درخت ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿٦٢﴾ إِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِينَ ﴿٦٣﴾ (۱)

بھلا یہ (خلد کی) مہمانی بہتر ہے یا زقوم کا درخت، بے شک ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے عذاب بنایا ہے۔

اس میں آزمائش کی بات یہ ہے کہ آگ تو درختوں کو جلاتی ہے پھر اسے کیسے اگا سکتی ہے اس لیے آیات کا سیاق دلالت کر رہا ہے کہ یہ دیکھنا کھلی آنکھوں سے دیکھنا تھا، کیوں کہ جب اسرا و معراج کا واقعہ ان سے بیان کیا گیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ جنون کی انتہا ہے اور جب جہنم کے شدائد اور احوال بیان کیے گئے تو کہنے لگے یہ جہنم بھی عجیب ہے کہ جہاں آگ کے شعلوں میں درخت اگے گا، ان دونوں باتوں میں لوگوں کے لیے آزمائش ہوئی اگر یہ لوگ حق کے طالب ہوتے تو ٹھٹھا اڑانے کے بہ جائے عقل و بصیرت سے کام لیتے، زقوم کے متعلق دوسری آیت میں ہے کہ وہ دوزخ کے نچلے حصے میں پیدا ہوگا اور وہ دوزخیوں کی خوراک ہوگا انہیں وہ کھانا پڑے گا اور اس پر اللہ کی لعنت سے مراد اس کی رحمت سے دوری ہے۔ یعنی اللہ نے اس کو رحمت کا نشان نہیں بنایا بل کہ وہ نشان لعنت ہے ملعون لوگوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے، تا کہ وہ بھوک سے تڑپ تڑپ کر اس پر منہ ماریں۔

ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿٥٥﴾ (۲)

اور بے شک ہم نے بعض انبیا کو بعض پر فضیلت بخشی اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی۔

زمخشری نے کشاف میں بیان کیا ہے کہ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت و عظمت کی طرف واضح اشارہ ہے اور وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ فضیلت و عظمت پر دلالت کر رہا ہے اس لیے آپ کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کی امت کا خیر الامم ہونا حضرت داؤد علیہ السلام کی

۱۔ الصافات: ۶۲۔ ۶۳

۲۔ بنی اسرائیل: ۵۵

زبور میں لکھا ہوا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (۱)

اور بلاشبہ ہم نے زبور میں نصیحت کے (بیان کے) بعد یہ لکھ دیا تھا کہ (عالم آخرت کی) زمین کے وارث صرف میرے نیکوکار بندے ہوں گے۔

قبیلہ ثقیف کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا کہ ہم آپ کے دین میں اس صورت میں داخل ہوں گے اگر آپ ہماری چند باتیں مان لیں اور یہ باتیں اہل عرب پر ہمارے لیے وجہ افتخار بھی ہوں مثلاً یہ کہ ہم زکاۃ نہیں دیں گے، جہاد میں بھی شرکت نہیں کریں گے، نماز میں رکوع، سجود بھی نہیں کریں گے اگر ہمارا کسی کے اوپر سود ہے تو وہ برقرار رہے گا اور اگر کسی کا سود ہم پر ہے تو وہ ختم سمجھا جائے گا۔ آپ ہمیں ایک سال تک کی مہلت دیں گے، تاکہ ہم اپنے بتوں کے چڑھاؤں سے فائدے حاصل کریں، پھر ہم ان کو توڑ دیں گے اور اسلام قبول کرلیں گے، لیکن آپ ہمارے علاقے کو بھی اسی طرح حرم قرار دیں گے، جیسا کہ حرم مکہ ہے اور اگر اہل عرب آپ سے پوچھیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو آپ کہہ دیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموشی سے ان کی باتیں سنتے رہے اور بات مکمل ہونے پر بھی قدرے سکوت اختیار فرمایا وہ آپ کی خاموشی کو رضامندی سمجھنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـــًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ

۱۔ الانبیاء: ۱۰۵

الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿۷۵﴾ (۱)

اور کفار تو یہی چاہتے تھے کہ آپ کو اس (حکم الٰہی) سے پھیر دیں جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے، تاکہ آپ اس وحی کے سوا ہم پر کچھ اور (باتوں) کو منسوب کر دیں اور تب آپ کو اپنا دوست بنالیں۔ اور اگر ہم نے آپ کو (پہلے ہی عصمت نبوت کے ذریعے) ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تب بھی آپ ان کی طرف (اپنے پاکیزہ نفس اور طبعی استعداد کے باعث) بہت ہی معمولی سے جھکاؤ کے قریب جاتے (ان کی طرف پھر بھی زیادہ مائل نہ ہوتے اور وہ ناکام رہتے مگر اللہ نے آپ کو عصمت نبوت کے ذریعے اس معمولی سے میلان کے قریب جانے سے بھی محفوظ فرمالیا ہے) (اگر بالفرض آپ مائل ہو جاتے تو) اس وقت ہم آپ کو دوگنا مزہ زندگی میں اور دوگنا موت میں چکھاتے پھر آپ اپنے لیے بھی ہم پر کوئی مددگار نہ پاتے۔

آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرہ برابر بھی نہ جھکے تھے اور نہ ہی جھکنے کے قریب تھے۔ اس لیے کہ مقام عصمت پر فائز تھے اور تمام ارادوں اور مقاصد میں آپ پر وحی بھیجی جاتی تھی، اسی طرح اس میں آپ پر سے عذاب کی بھی نفی کر دی گئی ہے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل واکمل اور مختار افراد میں سب سے منتخب تھے۔ لہٰذا ذرہ برابر بھی مائل ہو جانا بل کہ اس کے قریب بھی جانا آپ کے بلند مقام اور علم شان کی وجہ سے تشدید کا موجب تھا، فی الحقیقت یہ کوئی گناہ تو نہیں ہے لیکن دراصل یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بری قرار دینے کا انتہائی اسلوب ہے، کفار کی لغویات کی طرف میلان کا تو احتمال ہی نہ تھا، ہاں البتہ میلان کے قریب التفات ہو سکتا تھا، مگر عصمت انبیا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس قلیل التفات سے بھی بچالیا۔ یہ گفت گو بہ فرض محال ہے اور قضیہ شرطیہ ہونے کی وجہ سے انتفائے مقدم کا نتیجہ انتفائے تالی نکلا۔ پھر یہ فرمانا عتاب کے طریقے پر نہیں بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان محبوبیت کا اظہار ہے کہ آپ اس درجے محبوب ہیں کہ خفیف میلان سے بھی ہم نے

۱۔ بنی اسرائیل: ۷۳۔۷۵۔

آپ کو بچالیا ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ (۱)

آپ سورج ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک (ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی) نماز قائم فرمایا کریں۔ اور نماز فجر کا قرآن پڑھنا بھی (لازم کرلیں) بے شک نماز فجر کے قرآن میں (فرشتوں کی) حاضری ہوتی ہے (اور حضوری بھی نصیب ہوتی ہے) اور رات کے کچھ حصے میں بھی قرآن کے ساتھ (شب خیزی کرتے ہوئے) نماز تہجد پڑھا کریں، یہ خاص آپ کے لیے زیادہ (کی گئی) ہے یقیناً آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا (یعنی مقام شفاعت عظمیٰ جہاں جملہ اولین وآخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے)۔

مشہود سے مراد یہ ہے کہ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور قرآن الفجر کو مشہود کہنے کا یہ مطلب بھی ہے فرشتے اس کے گواہ بنتے ہیں اس سے نماز فجر کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رو سے فرشتے اگرچہ ہر نماز میں حاضر ہوتے ہیں اور ہر نیکی کے گواہ بنتے ہیں لیکن نماز فجر کی خصوصیت اس کی اہمیت کے پیش نظر ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہوتے ہیں، یہ اس امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔

اور ایسا مقام محمود جس پر ساری مخلوق آپ کی تعریف کرے اس سے مراد قیامت کے دن سفارش کرنا ہے، مقام محمود کا جو وعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا ہے وہ تمام انبیاء و رسل میں صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہے، مقام وسیلہ اور مقام محمود دونوں شفاعت کبریٰ اور شفاعت عظمیٰ کا مقام ہیں دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام محمود عام مفہوم میں آپ کی عالم گیر مدح وستائش وتعریف وتوصیف بھی داخل ہے، جیسا کہ کوثر کے مفہوم عام میں حوض کوثر داخل ہے، گویا وحی الٰہی نے ایسے اعلیٰ وارفع مقام تک پہنچنے کی اطلاع دی ہے، جو انسان

۱۔ بنی اسرائیل: ۷۸۔۷۹

کے لیے عظمت و رفعت کا بلند ترین مقام ہے اور حسن و کمال کا ایسا مقام ہے جہاں آپ کو خلائق کی عالم گیر محمودیت اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی اور دنیا و آخرت میں آپ کو ایسے مرتبے پر پہنچا دے گی جہاں آپ محمود خلائق بن کر رہیں گے اور ہر طرف سے آپ پر مدح و ثنا کی بارش ہو گی اور آپ کی ہستی ایک قابل تعریف بن کر رہے گی، اور پھر عسیٰ کا لفظ ایسا ہونے کو یقینی بنانے کے لیے آیا ہے، اس لیے کہ مقام محمود آپ ہی کے لیے ثابت ہے اور تمام انبیاء و رسل میں یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ پر خصوصی احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ (۱)

اور اگر ہم چاہیں تو اس کتاب کو جو ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے (لوگوں کے دلوں میں تحریری نسخوں سے) محو فرما دیں، پھر آپ اپنے لیے اس وحی کے لے جانے پر ہماری بارگاہ میں کوئی وکالت کرنے والا بھی نہ پائیں گے۔ مگر یہ کہ آپ کے رب کی رحمت سے (ہم نے اسے قائم رکھا ہے) بے شک یہ آپ پر (اور آپ کے وسیلے سے آپ کی امت پر) اس کا بہت بڑا فضل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہم نے آپ کے قلب اطہر پر قرآن کریم نازل کیا تحریف اور تفسیر و تبدل سے اس کی حفاظت فرمائی آپ کو مقام محمود عطا کیا اور دیگر ان گنت خصوصیات و فضائل عطا فرمائے۔

پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ قرآن مجید فرقان حمید کے ذریعے تمام انس و جن کو چیلنج کر دیں، اس میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اور عظمت و بزرگی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ انس و جن اس کا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ آپ ہی نبی و رسول ہیں، جب کہ دیگر انبیاء و رسل کے معجزات ان کی اپنی قوم سے باہر نہیں جاتے تھے۔

۱۔ بنی اسرائیل: ۸۶۔۸۷

قرآن مجید میں کئی مقامات پر یہ چیلنج گزر چکے ہیں یہاں اس مقام پر یہ اعادہ اس لیے ہے کہ تم لوگ پیغمبر اسلام سے مختلف قسم کے سوالات کر کے اور مختلف قسم کی مانگیں ان سے طلب کر کے ان کی نبوت و رسالت کی جو آزمائش کر رہے ہو۔ تم ان فضول قسم کے مطالبات اور سوالات میں کیوں پڑتے ہو، خود قرآن کریم کو کیوں نہیں دیکھ لیتے کہ اس کی مثال انس و جن کی دنیا مل کر بھی پیش نہیں کر سکی اور نہ کر سکتی ہے پھر تم اس کے کلام الٰہی ہونے میں اور جن پر ہم نے نازل کیا ہے ان کے رسول برحق ہونے میں کیوں شبہ کر رہے ہو۔

پھر ارشاد فرمایا:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ (۱)

اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے اتارا، تاکہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے رفتہ رفتہ (حالات اور مصالح کے مطابق) تدریجاً اتارا ہے فرما دیجیے تم اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ بے شک جن لوگوں کو اس سے قبل علم (کتاب) عطا کیا گیا تھا جب یہ (قرآن) انہیں پڑھ کر سنایا جاتا ہے وہ تھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر ہی رہنا تھا۔ اور تھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے گر جاتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع و خضوع میں مزید اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔

ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی و تشفی ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ کی بعثت اور قرآن مجید کا نزول سابقہ کتب سماویہ میں موجود ہے۔ وہ اہل کتاب جو آسمانی کتب سے واقف ہیں ان کی تعلیمات اور ان کے انداز کلام کو پہچانتے ہیں قرآن اس نبی آخر

۱۔ بنی اسرائیل: ۱۰۶ تا ۱۰۹

الزمان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والے اس قرآن کریم کو سن کر سمجھ جاتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کا پچھلے انبیا رسل کے صحیفوں میں ذکر ہے۔ ان کتب سماویہ میں جو وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہو گیا اور وہ واقعہ رونما ہو گیا یہ وہی بات ہے، جسے درج ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ (۱)

اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیا سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں۔

تنبیہ

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ جب قرآن مجید میں مطلقاً بولا جائے تو یہ مدح پر دلالت کراتا ہے۔ اسی طرح اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ بھی مدح پر ہی دلالت کرتا ہے۔

جب کہ الذین اُوْتُوا الْكِتٰبَ یہ زیادہ تر مذمت وقدح کے لیے بولا جاتا ہے۔ البتہ کبھی یہ تعریف کے لیے بھی آ جاتا ہے جیسے وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ اور يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ کا لفظ کبھی تعریف کے لیے آتا ہے اور کبھی مذمت کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

۱۔ آل عمران: ۸۱